قرآن کریم اور سنت نبویہ علیٰ صاحبہا الصلاۃ والسلام کی تعلیمات کا علمبردار

بینات

جلد: ۷۵ شمارہ: ۵

جمادی الاولیٰ: ۱۴۳۳ھ - اپریل: ۲۰۱۲ء

قیمت فی شمارہ: ۳۰ روپے، زر سالانہ: ۳۰۰ روپے

مدیر / مدیر مسئول

مولانا ڈاکٹر عبد الرزّاق اسکندر

نائب مدیر

مولانا سیّد سلیمان یوسف بنوری

ناظم

مولانا فضل حق یوسفی

مجلس ادارت

مولانا محمد اعجاز مصطفیٰ (مدیر معاون)

مولانا عطاء الرحمٰن صاحب (ناظم تعلیمات)

مفتی رفیق احمد بالاکوٹی

خط وکتابت اور ترسیل زر کا پتہ:

ماہنامہ ''بینات'' پوسٹ بکس نمبر ۳۴۴۶۵، کراچی ۷۴۸۰۰

جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

فون دفتر بینات: ۳۴۹۲۷۲۳۳

فون جامعہ: ۳۴۹۱۳۵۷۰_۳۴۱۲۱۱۵۲_۳۴۱۲۳۳۶۶

ایکسٹینشن: ۱۴۶_۱۴۷

فیکس: ۴۹۱۹۵۳۱-۲۱-۹۲

بیرون ملک سے بذریعہ ہوائی ڈاک

ریاست ہائے متحدہ امریکہ، جنوبی افریقہ، تھائی لینڈ، ناروے

ویسٹ انڈیز وغیرہ: ۳۵/امریکی ڈالر

سعودی عرب، متحدہ عرب امارات، مسقط، بحرین، عمان،

ایران، انڈیا وغیرہ: ۲۷/امریکی ڈالر

بنگلہ دیش: ۲۵/امریکی ڈالر

جامعۃ العلوم الاسلامیۃ

علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن

ناشر: مولانا ڈاکٹر عبد الرزاق اسکندر مطبع: ایجوکیشنل پریس کراچی طابع: فیروز ذکی

www.banuri.edu.pk

فہرست مضامین

بصائر و عبر

صریح نصوص کے بارے میں اجتہاد کی ضرورت کیوں؟ ۳ محمد اعجاز مصطفیٰ

مقالات و مضامین

علم دنیا میں دو راستوں سے آیا ہے ۱۴ حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ

عورتوں کا اجنبی مردوں سے برتاؤ ۲۳ حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانویؒ

درس گاہ نبوت کے فیض یافتہ طلبہ (ایک تعارف) ۲۶ مولوی اسد اللہ

کوئی ہے جو نتائج کی فکر کرے؟ ۳۶ پروفیسر محمد حمزہ نعیم

حقوق نسواں ......ایک تقابلی مطالعہ ۳۸ ڈاکٹر بشیر احمد رند

''مشاہیر'' نادر و نایاب مکاتیب کا عظیم ذخیرہ ۴۷ مولانا محمد عمر انور

اسلام کا بول بالا ہونا چاہیے ۵۳ محترمہ طیبہ ضیاء، نیویارک

یادِ رفتگان

حسرت ان غنچوں پہ ہے جو بن کھلے مرجھا گئے ۵۵ مولانا حسین احمد شرودی، کوئٹہ

دار الافتاء

پامسٹری (ہاتھوں کی لکیریں دیکھنے) کا حکم ۵۹ مولوی محمد عبید الرحمن

نقد و نظر

۶۳ ادارہ

صریح نصوص کے بارے میں اجتہاد کی ضرورت کیوں؟

جناب عبدالقادر حسن صاحب کی خدمت میں

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ

۱۰؍ربیع الثانی ۱۴۳۳ھ مطابق ۴؍مارچ ۲۰۱۲ء روزنامہ ایکسپریس میں ملک کے مشہور کالم نگار جناب عبدالقادر حسن صاحب کا ایک کالم ’’ووٹوں کی خرید وفروخت اور لیڈروں کے عمرے ‘‘ کے عنوان سے چھپا ہے، جس میں موصوف نے کئی ایشوز پر اپنے نقطۂ نظر سے بات کی ہے اور کالم کے آخر میں لکھا ہے کہ:

> ’’ہمارے ان لیڈروں کو بخوبی علم ہے کہ حج تو چند شرائط کے ساتھ زندگی میں ایک بار میں فرض ہے، لیکن عمرہ تو محض ایک نفلی عبادت ہے، کریں نہ کریں، اس کی کوئی باز پرس نہیں ہوگی۔ لیکن ہمارے ہاں پاکستان میں عمرے کی اس قدر اہمیت بن گئی ہے، جیسے اس کا بھی کوئی شرعی حکم ہے۔ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے زندگی میں صرف ایک حج کیا تھا اور بس، عمرے کا کوئی حکم نہیں دیا تھا، ویسے بیت اللہ کی زیارت اور طواف اپنی جگہ ایک بڑے ثواب کا کام ہے، لیکن ایسا نہیں جیسے کہ حج ہے۔ ہمارے اسلام اور مذہب میں بھی افراط وتفریط بہت بڑھ گئی ہے۔ انگریزوں نے ائمہ مساجد کو صرف عبادات تک محدود کردیا تھا، سیاست سے دور رکھنے کا یہ ایک طریقہ تھا، چنانچہ یہ طریقہ ایسا رائج ہوا کہ علماء نے مسلمانوں کو صرف عبادت میں لگا دیا، جب کہ عبادت کے اور بھی کئی مواقع تھے، مثلاً انسانی خدمت سے بڑی عبادت کیا ہوسکتی ہے؟ جو مسیحی دنیا بھر میں کررہے ہیں، اسپتال بنا کر اور تعلیمی ادارے بنا کر۔ مسلمان اس کی طرف بہت کم توجہ کرتے ہیں اور عمروں پر زور دیتے ہیں۔

یہاں میں علماء کرام سے ایک سوال بھی پوچھنا چاہتا ہوں کہ پاکستان جیسی مقروض قوم پر عمرہ تو کجا کیا حج بھی فرض ہے؟ اور پھر ایسی قوم جہاں لوگ دو وقت کی روٹی کے لئے بلک رہے ہوں، علاج سے محروم ہوں اور زندگی کی جائز ضروریات کو ترس رہے ہوں، وہاں کیا حج جیسی انتہائی مہنگی عبادت کچھ عرصہ کے لئے ملتوی نہیں کی جاسکتی؟۔ ہمارے ہاں ایسے موقعوں کے لئے اجتہاد ہوا کرتا تھا، اب کسی عالم میں اجتہاد کی جرأت نہیں ہے۔ میں نے حج وعمرہ کے بارے میں پہلے بھی لکھا ہے، بلکہ ایک بار بعض جید علماء سے رجوع بھی کیا ہے، ان سب نے میری رائے سے اتفاق کیا، مگر اس کی تائید کا اعلان کرنے سے معذرت کر دی، اس کی کئی وجوہات ہیں، جو میں اس وقت بیان نہیں کر سکتا، لیکن پاکستان کے خوشحال طبقے اور لیڈروں سے ضرور پوچھتا ہوں کہ پاکستان کی حالت کو دیکھ کر کیا ان کا ضمیر انہیں عمرے کی اجازت دیتا ہے؟ میرا دعویٰ ہے کہ جس دن جرأت مند، بہادر اور سچا مسلمان لیڈر آ گیا، اس دن ملک کے ووٹ بھی اس کے ہوں گے اور اقتدار کی آزمائش بھی اسی کی ہوگی''۔ (روزنامہ ایکسپریس، ۴؍مارچ ۲۰۱۲ء مطابق ۱۰؍ربیع الثانی ۱۴۳۳ھ)

جناب عبدالقادر حسن صاحب کا یہ ارشاد کہ: ''ہمارے ہاں پاکستان میں عمرے کی اس قدر اہمیت بن گئی ہے، جیسے اس کا بھی کوئی شرعی حکم ہے''۔

گویا موصوف یہ فرمانا چاہتے ہیں کہ عمرے کی کوئی اہمیت نہیں اور نہ ہی یہ کوئی حکم شرعی ہے، **نعوذ باللہ من ذلک۔**

موصوف سے بصد آداب سوال کرنا چاہیں گے کہ جناب! قرآن کریم جس چیز کا حکم دے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس کے بارہ میں نہ صرف یہ کہ واضح ہدایات وتعلیمات دیں، بلکہ خود عمل کر کے دکھائیں اور جس پر صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے لے کر آج تک امت مسلمہ کا تعامل رہا ہو، کیا آپ کے نزدیک اس کی کوئی اہمیت نہیں؟۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ کا ارشاد اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات آپ کے نزدیک حکم شرعی نہیں تو کس کا ارشاد اور حکم آپ کے نزدیک حکم شرعی بنتا ہے؟ لیجئے! عمرہ کے متعلق قرآن کریم میں فرمانِ الٰہی بھی سن لیجئے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

۱: ''وَأَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ''۔ (البقرۃ:۱۹۶)

ترجمہ: ''اور حج اور عمرے کو پورا کرو اللہ کے لئے''۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے حج اور عمرہ کی تکمیل اور رضاءِ الٰہی کے حصول کی ترغیب اور تعلیم دی ہے۔ دوسری جگہ ارشاد ہے:

۲: ''إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ، فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ أَوِ اعْتَمَرَ فَلَاجُنَاحَ

عَلَيْهِ أَنْ يَطَّوَّفَ بِهِمَا ''۔ (البقرۃ:۱۵۸)

ترجمہ:''یقیناً صفا اور مروہ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ہیں، تو جو بیت اللہ کا حج کرے یا عمرہ کرے تو اس پر کوئی گناہ نہیں کہ وہ ان دونوں کا طواف کرے''۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے عمرے کا ایک اہم حصہ صفا اور مروہ کے درمیان سعی کا حکم دیا ہے۔
حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

۱: ''عن أبی هريرة رضی الله عنه قال :قال رسول الله صلی الله عليه وسلم : العمرة إلی العمرة كفارة لمابينهما والحج المبرور ليس له جزاء إلا الجنة''۔ (بخاری شریف، ج:۱،ص:۲۳۸)

ترجمہ:''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک عمرہ دوسرے عمرہ تک ان گناہوں کے لئے کفارہ ہے جو ان کے درمیان ہوئے ہوں، اور حج مقبول کا بدلہ نہیں ہے، مگر جنت''۔

۲: ''عن ابن عباس رضی الله عنهما،قال: قال رسول الله صلی الله عليه وسلم :إن عمرةً فی رمضانَ تعدل حجة ''۔ (متفق علیہ،مشکوٰۃ:۲۲۱)

ترجمہ:''حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: رمضان میں ایک عمرہ کرنا (ثواب میں) حج کے برابر ہے''۔

۳:''وعن قتادة أن أنساً رضی الله عنه أخبرهُ قال :اعتمر رسول الله صلی الله عليه وسلم أربع عمر كلُّهن فی ذی القعدة إلا التی كانت مع حجته ، عمرة من الحديبية فی ذی القعدة وعمرة من العام المقبل فی ذی القعدة وعمرة من الجِعِرَّانة حيث قسم غنائم حُنين فی ذی القعدة وعمرة مع حجته''۔ (بخاری شریف، ج:۲،ص:۵۹۷)

ترجمہ:''حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں کہ مجھے حضرت انس رضی اللہ عنہ نے خبر دی کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چار عمرے کئے ہیں، سب کے سب ذو القعدہ میں تھے، سوائے اس عمرہ کے جو حج کے ساتھ تھا، (وہ چار عمرے یہ ہیں) ایک عمرہ حدیبیہ کے موقع پر ذوالقعدہ میں اور ایک عمرہ اگلے سال ذوالقعدہ میں اور ایک عمرہ جعرانہ سے (واپسی میں) جب کہ حنین کا مال غنیمت ذوالقعدہ میں تقسیم کیا اور ایک عمرہ حج کے ساتھ''۔

۴: ''عن أبی إسحاق قال:سمعتُ البراء بن عازب رضی الله عنه يقول : اعتمر رسول الله صلی الله عليه وسلم فی ذی القعدة قبل أن يحج مرتين''۔ (بخاری شریف، ج:۱،ص:۲۳۹)

ترجمہ: ’’حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کو یہ فرماتے ہوئے سُنا کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج سے پہلے ذوالقعدہ میں دو عمرے کئے‘‘۔

۵: ’’عن عبداللّٰہ (ابن مسعود) رضی اللّٰہ عنہ قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم: تابعوا بین الحج والعمرۃ فإنھما ینفیان الفقر والذنوب کماینفی الکیر خبث الحدید والذھب والفضۃ ولیس للحج المبرور ثواب دون الجنۃ‘‘۔ (سنن نسائی، ج:۲،ص:۳)

ترجمہ: ’’حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پے درپے حج اور عمرہ کرو، کیونکہ یہ دونوں فقر اور گناہوں کو ایسے دور کرتے ہیں، جیسے بھٹی لوہے، سونے اور چاندی کے میل کو دور کرتی ہے اور مقبول حج کے لئے کوئی بدلہ نہیں، سوائے جنت کے‘‘۔

۶: ’’عن أبی رزین العقیلی أنہ أتی النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم فقال: یا رسول اللّٰہ! إن أبی شیخ کبیر لایستطیع الحج والعمرۃ ولاالظعن، قال: حج عن أبیک واعتمر‘‘۔ (مشکوٰۃ:۲۲۲)

ترجمہ: ’’حضرت ابورزین عقیلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور فرمایا: اے اللہ کے رسول! میرے والد بہت بوڑھے ہیں، حج وعمرہ کرنے اور سوار ہونے کی طاقت نہیں رکھتے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنے والد کی طرف سے تم حج اور عمرہ کرلو‘‘۔

۷: ’’عن أم سلمۃ رضی اللّٰہ عنھا قالت: سمعت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یقول: من أھل بحجۃ أوعمرۃ من المسجد الأقصی إلی المسجد الحرام غفرلہ ماتقدم من ذنبہ وماتأخر أووجبت لہ الجنۃ‘‘۔ (ابوداؤد، ج:۱،ص:۲۵۶)

ترجمہ: ’’حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، فرماتی ہیں کہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ: جو شخص بیت المقدس سے مسجد حرام تک حج اور عمرہ کا احرام باندھے تو اس کے اگلے پچھلے (سب) گناہ معاف کردیئے جائیں گیا (یہ کہا کہ) جنت اُس کے لئے واجب ہوجائے گی‘‘۔

۸: ’’وعن عائشۃ رضی اللّٰہ عنھا قالت: قلت: یارسول اللّٰہ! علی النساء جھاد؟ قال: نعم، علیھن جھاد، لاقتال فیہ، الحج والعمرۃ‘‘۔ (ابن ماجۃ،ص:۲۰۸)

ترجمہ: ’’حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، فرماتی ہیں: میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! کیا عورتوں پر جہاد (فرض) ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں! اُن پر ایسا جہاد (فرض) ہے جس میں قتال نہیں (یعنی) حج اور عمرہ‘‘۔

۹: ''عن أبی هریرة رضی اللّٰه عنه عن النبی صلی اللّٰه علیه وسلم أنه قال: الحجاج والعمار وفد اللّٰه، إن دعوه أجابهم وإن استغفروه غفرلهم''۔ (ابن ماجہ، ص:۲۰۸)

ترجمہ: ''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حج اور عمرہ کرنے والے اللہ تعالیٰ کے مہمان ہیں، اگر وہ دعا مانگتے ہیں تو اللہ تعالیٰ قبول کرتے ہیں، اور اگر معافی چاہیں تو اللہ تعالیٰ معاف کرتے ہیں''۔

۱۰: ''عن أبی هریرة رضی اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم: من خرج حاجّاً أو معتمراً أو غازیاً، ثم مات فی طریقه کتب اللّٰه له أجر الغازی والحاج والمعتمر''۔ (مشکوٰۃ:۲۲۳ بحوالہ بیہقی)

ترجمہ: ''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص حج یا عمرہ یا جہاد کے ارادے سے نکلا، پھر راستے میں ہی انتقال کر گیا تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے مجاہد، حاجی اور عمرہ کرنے والے کا ثواب لکھتا ہے''۔

یہ دو آیات اور دس احادیث بطور نمونہ کے ہم نے نقل کی ہیں، جن میں عمرہ کی فضیلت واہمیت، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک بار نہیں، بلکہ چار عمرے کرنے کا ثبوت، عمرہ کا گناہوں کا کفارہ بننا، رمضان میں عمرہ کا ثواب حج کے برابر ملنا، دوسرے کی طرف سے عمرہ ادا کرنے کا حکم، عمرہ کی ادائیگی سے غربت اور گناہوں کا مٹنا اور دور ہونا، عمرہ کرنے والے کا راستہ میں انتقال ہونے پر عمرے کے ثواب کا ملنا، عورتوں کے لئے عمرہ کو جہاد قرار دینا، عمرہ کرنے والے کی دعا کا قبول ہونا، وغیرہ بیان کیا گیا ہے۔

کیا ان آیات اور احادیث سے عمرہ کی اہمیت اور عمرہ کا شرعی حکم ثابت نہیں ہوتا؟ عوام یہ سوال کرنے میں حق بجانب ہیں کہ موصوف کے نزدیک شرعی حکم کا کیا معیار ہے؟ اس لئے کہ چودہ سو سال سے امتِ مسلمہ کے فقہاء، علماء، مفسرین اور محدثین شریعت اور شرعی حکم کی تعریف یہ کرتے آئے ہیں کہ:

۱: ''الشریعة.........ماشرع اللّٰه تعالیٰ لعباده من الأحکام التی جاء بها نبیٌّ من الأنبیاء صلی اللّٰه علیه وسلم وعلیٰ نبینا وسلم''.

(کشاف اصطلاحات الفنون، ج:۱، ص:۷۵۹)

ترجمہ: ''اصطلاحِ شرع میں شریعت اُن احکام کو کہتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے بندوں کے لئے مقرر فرمائے ہیں اور انبیاء علیہم السلام اُن (احکام) کو لے کر آئے ہیں''۔

۲: ''والشریعة کل طریقة موضوعة بوضع الٰهی ثابت من نبی من

الأنبياء". (کشاف اصطلاحات الفنون، ج:۱،ص:۷۶۰)

ترجمہ: ''اور شریعت ہر وہ طریقہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے مقرر کرنے سے مقرر ہوا ہو اور کسی نبی (علیہ السلام) سے ثابت ہو''۔

۳: حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ قرآن کریم کی آیت: ''لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجاً ''یعنی''تم میں سے ہر ایک کو ہم نے دیا ایک دستور اور راہ'' کے تحت فرماتے ہیں:

''الشرعة ماورد به القرأن والمنهاج ماورد به السنة''۔

(کشاف اصطلاحات الفنون، ج:۱،ص:۷۶۰)

ترجمہ: ''شــرعة'' وہ ہے جس کے بارے میں قرآن وارد ہوا ہو (یعنی جو حکم قرآن سے ثابت ہو) اور ''مــنهــاج'' وہ ہے جس کے بارے میں سنت وارد ہوئی ہو (یعنی جو حدیث سے ثابت ہو)۔

جناب عبد القادر حسن صاحب فرماتے ہیں کہ: ''عمرہ تو محض ایک نفلی عبادت ہے''۔ جناب! جب آپ کے نزدیک عمرے کی کوئی اہمیت نہیں، آپ کے نزدیک حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرہ کرنے کا حکم نہیں دیا، اور عمرہ کرنا کوئی حکم شرعی نہیں تو عمرہ کرنا نفل عبادت کیسے بن گیا؟ بیت اللہ کی زیارت اور طواف بڑے ثواب کا کام کیسے بن گئے؟ کیا فقہ اسلامی میں کوئی ایسی مثال بھی ملتی ہے کہ ایک چیز کی کوئی شرعی حیثیت تو نہ ہو، لیکن وہ ثواب کا کام اور نفلی عبادت بن جائے؟ کیا یہ کھلا تضاد نہیں؟ جناب! کہیں ایسا تو نہیں کہ مسلمانوں کو خوش کرنے اور ان کے اعتراضات سے بچنے کے لئے آپ نے ''ویسے''، ''اپنی جگہ''، ''ثواب کا کام'' اور ''ایسا نہیں جیسا حج ہے'' کے لاحقے لگا کر ان کو مطمئن کرنے اور خاموش کرنے کی ناکام کوشش کی ہو۔

جناب موصوف فرماتے ہیں: ''انگریزوں نے ائمہ مساجد کو صرف عبادات تک محدود کر دیا تھا، سیاست سے دور رکھنے کا یہ ایک بہترین طریقہ تھا''۔

گویا موصوف یہ فرمانا چاہتے ہیں کہ ائمہ مساجد جو درس وتدریس، صلاح وارشاد، وعظ ونصیحت کرتے اور عبادات جیسے نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج، انفاق فی سبیل اللہ کی اور یتیم، مسکین، محتاج، مقروض، اپاہج جیسے ضرورت مندوں کی اعانت وکفالت کی تعلیم وتلقین لوگوں کو کرتے ہیں، اسی طرح حقوق اللہ اور حقوق العباد کی اہمیت وفضیلت پر بیان اور وعظ کرتے رہتے ہیں، انگریز نے انہیں ان کاموں پر محدود کر دیا تھا اور سیاست سے دور رکھنے کا یہ ایک بہترین طریقہ تھا۔

جنابِ من! کوئی آپ سے سوال کر سکتا ہے کہ جناب! آپ ہی بتائیں کہ دین اسلام میں عبادات کی کوئی اہمیت ہے یا نہیں؟ اگر اس کی کوئی اہمیت اور حیثیت ہے تو لازماً اس کی بجا آوری بھی ہوگی اور اس کی تعلیم وتربیت، درس وتدریس، وعظ ونصیحت اور ادائیگی کی کیفیت وطریقہ کے

اظہار و بیان کے لئے ایک جماعت بھی ہمہ وقت اس کے لئے درکار ہوگی۔ اب یہ جماعت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے آج تک یہ کام کرتی آئی ہے اور تمام مسلمانوں کی طرف سے فرض کفایہ ادا کرتی رہی ہے تو آپ ہی ارشاد فرمائیں کہ یہ جماعت قابل تعظیم ہے یا قابل تحقیر وتوہین؟ اور اس جماعت کے لئے آپ جیسے ''باشعور''، ''کہنہ مشق'' اور ''دانشور'' صحافی کا یہ کہنا کہ انگریز نے ان کو عبادات تک محدود کر دیا ہے، چہ معنی دارد؟۔

جناب! یہ تو ایسے ہی ہے کہ کوئی کہے کہ صحافی برادری کے چند عناصر اور اینکرز جو آئے دن اسلامی عقائد، اسلامی اقدار، اسلامی شعار، اسلامی تہذیب، اسلامی تمدن، اسلامی معاشرت، عبادات، اخلاق، معاملات، دینی علوم، مولوی، مسجد اور مدرسہ کے خلاف کالم سیاہ کرتے رہتے ہیں، انگریز نے اُن کو اس کام تک محدود کر دیا ہے تو اس بارہ میں آپ کا کیا ارشاد ہوگا؟

جناب! علماء اور آپ کے الفاظ میں ''ائمہ مساجد'' کا کردار صرف عبادات تک محدود نہیں، اگر کوئی منصف مزاج فرد اور شخص بنظر غائر اور بشرطِ انصاف کھلے دل ودماغ سے دیکھنے اور سوچنے کی کوشش اور زحمت فرمائے تو اسے نظر آئے گا کہ علماء ہمیشہ اور ہر میدان میں صفِ اول کا کردار ادا کرتے آئے ہیں۔ دور جانے کی ضرورت نہیں، صرف برصغیر کی تحریکات پر ایک طائرانہ نظر دوڑائیں تو معلوم ہوگا کہ ہر تحریک کا اول دستہ علماء ہی رہے ہیں۔ اگر ایسا نہیں تو بتلایا جائے کہ پھر استخلاصِ وطن کی تحریک کس نے چلائی؟ ۱۸۵۷ء میں انگریز کے خلاف جہاد کرنے والے کون تھے؟ بالاکوٹ کے میدان میں سکھوں کے خلاف جہاد کرنے والے سید احمد شہیدؒ اور شاہ اسماعیل شہیدؒ کون تھے؟ تحریک ریشمی رومال کس کی برپا کردہ تھی؟ مالٹا کی جیل میں اسیر ہونے والے شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسنؒ اور شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کون تھے؟ تحریک پاکستان میں قائداعظم کے ساتھ معین ومددگار حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ، حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ، حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ اور حضرت مولانا مفتی محمد شفیع نوراللہ مراقدہم کون تھے؟

انگریزوں کے اشاروں اور ان کی چھتری کے نیچے نبوت کا دعویٰ کرنے والے آنجہانی مرزا غلام احمد قادیانی سے مقابلہ کرنے والے علمأ کرام نہیں تھے تو اور کون تھے؟ ۱۹۵۳ء کی تحریک میں قادیانیوں کو شیر کی طرح للکارنے والے مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کون تھے؟ ۱۹۷۴ء کی تحریک ختم نبوت میں پاکستان بھر کی قیادت کرنے والی عظیم شخصیت محدث العصر حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوری قدس سرہٗ اگر عالم نہیں تھے تو اور کون تھے؟ قومی اسمبلی کے فلور پر قادیانیت کو غیر مسلم قرار دلانے والے حضرت مولانا مفتی محمودؒ، حضرت مولانا شاہ احمد نورانی، مولانا عبدالحق (اکوڑہ خٹک)، مولانا غلام غوث ہزاروی وغیرہ رحمہم اللہ تعالیٰ کون تھے؟

ان بدیہی حقائق کو جھٹلانے کی جسارت صرف وہی آدمی کرسکتا ہے جسے عقل وفہم اور بصارت وبصیرت سے کوئی علاقہ نہ ہو۔

موصوف کو اس پر بھی اعتراض ہے کہ علماء نے مسلمانوں کو صرف عبادات میں لگادیا ہے۔ جناب! اگر علماء نے مسلمانوں کو چوری، ڈکیتی، رشوت، سود، لوٹ کھسوٹ، عریانی، فحاشی اور بدمعاشی سے منع کیا ہے اور انہیں خدا اور رسول کی وفاداری، اعمال صالحہ نے لگاؤ، قبروحشر کے بارہ میں فکر، نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج کی پابندی، حلال وحرام میں تمیز، جائز وناجائز میں فرق، بڑوں کے اکرام، چھوٹوں پر شفقت، انسانیت سے پیار، اللہ کی مخلوق سے محبت، غرضیکہ ان تمام اعمال وافعال کا درس دیا ہے، جن کا اللہ تعالیٰ اور اس کے پیارے رسول حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے تو اس میں ناراض ہونے کی آخر کیا بات ہے؟ کیا یہ بھی بیچارے ملا اور مولوی کا قصور شمار کیا جائے گا؟ افسوس!

وائے ناکامی متاع کارواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا

موصوف علماء کرام سے ایک سوال پوچھنا چاہتے ہیں کہ: ''پاکستان جیسی مقروض قوم پر عمرہ تو کجا، کیا حج بھی فرض ہے؟ اور پھر ایسی قوم جہاں لوگ دو وقت کی روٹی کے لئے بلک رہے ہوں، علاج سے محروم ہوں اور زندگی کی جائز ضروریات کو ترس رہے ہوں، وہاں کیا حج جیسی انتہائی مہنگی عبادت کچھ عرصہ کے لئے ملتوی نہیں کی جاسکتی؟۔ ہمارے ہاں ایسے موقعوں کے لئے اجتہاد ہوا کرتا تھا، اب کسی عالم میں اجتہاد کی جرأت نہیں ہے''۔

جناب! سوال کا جواب تو آگے آتا ہی ہے، کیا آپ کسی کو اس سوال کرنے کا حق دیں گے کہ پاکستان کو مقروض کس نے بنایا؟ پاکستان کے قومی خزانے کو کس نے لوٹا؟ پاکستان جیسے مقروض ملک کی لوٹی گئی دولت کے اربوں کھربوں ڈالر کن لوگوں کے اکاؤنٹس میں منتقل ہوئے؟ اور اس مقروض ملک کی قوم نے ''قرض اتارو، ملک سنوارو'' جیسی اسکیموں میں جو لاکھوں، کروڑوں روپے کے عطیات جمع کرائے، وہ کہاں گئے؟ سیلاب زدگان کے نام پر ملک اور بیرون ملک سے وصول شدہ اشیاء اور اجناس کن لوگوں کے ڈیروں اور گھروں میں محفوظ اور ذخیرہ کی گئیں؟ اگر ان سوالات کا کوئی جواب دے دے تو ان شاء اللہ! آپ کے سوال کا جواب بھی آپ کو از خود مل جائے گا۔

جناب! پاکستان کو مقروض بنانے والے تو اب بھی اس ملک کے سیاہ وسفید کے مالک ہوں اور انہیں کوئی کچھ نہ کہے، لیکن مقروض ملک کی دہائی دے کر حج جیسے فریضہ کو غیر اہم اور ترک کردینے کے لئے ''سنہری مشورے'' اور اسلام کے اس بنیادی ستون اور رکن کو فی الوقت معطل اور ساقط

کر دینے کے لئے اجتہاد کی دعوت دی جائے، یہ کونسا انصاف ہے؟ آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ اجتہاد کی بھی کچھ شرائط ہیں، اور اجتہاد کن معاملات میں ہوسکتا ہے؟ اس کی بھی کچھ حدود وقیود اور اصول وآداب ہیں، جیسا کہ شیخ الادب والفقہ حضرت مولانا اعزاز علیؒ لکھتے ہیں:

"ومنه يعلم أيضا بطلان دعاوى قوم الإجتهاد من أهل عصرنا مُنهَمِكِيْنَ في الدنيا وجمعها وفي شهواتها ولذاتها يشغلون جميع أوقاتهم بذلك لايتصورون الإجتهاد بل ولا العلم وإنما يدعون ذلك فهماً منهم أن المجتهد يباح له مالايباح لغيره من المحرمات المجمع عليها وغيرها، لايعلمون أن من شروط الإجتهاد عدم معارضة الكتاب والسنة والإجماع". (حاشیہ ومقدمہ کنز الدقائق ص:٦، مکتبہ رحیمیہ، دیوبند، ط:١٣٦٨ھ)

ترجمہ: ''یہیں سے ہمارے ابنائے زمانہ کے مدعیان اجتہاد کے دعویٰ کا باطل ہونا واضح ہو جاتا ہے۔ یہ حضرات سر سے پاؤں تک دنیا کے سمیٹنے میں منہمک ہیں اور ہمہ وقت اس کی لذتوں اور شہوتوں کے حصول میں مشغول رہتے ہیں، ان کے ذہن میں نہ تو اجتہاد کا تصور ہے اور نہ دین کا علم ہی رکھتے ہیں، ان کے دعویٰ کا منشا صرف یہ ہے کہ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ: مجتہد کے لئے وہ چیزیں مباح ہو جاتی ہیں جو دوسروں کے لئے مباح نہیں ہوتیں، یعنی وہ چیزیں جو بالا جماع حرام ہیں، مجتہد اپنے اجتہاد کے زور سے ان کو بھی حلال کرلیا کرتا ہے، یہ مسکین اتنا بھی نہیں جانتے کہ اجتہاد صحیح کے لئے یہ شرط ہے کہ وہ کتاب وسنت اور اجماع امت کے معارض نہ ہو''۔

شاید موصوف جناب عبدالقادر حسن صاحب حج کے متعلق علماء کرام سے ایسا اجتہاد کرانا چاہتے ہیں، جیسا اساتذۂ مغرب نے ڈاکٹر فضل الرحمٰن جیسے شاگردانِ مشرق کو اجتہاد کا سلیقہ سکھلایا، اس لئے وہ لکھتا ہے کہ:

''زمانۂ حال کے نئے تقاضوں سے ہم آہنگ کرنے کے لئے اسلام کی آزادانہ تعبیر وتشریح اور اسلام کے قطعی اور منصوص مسائل میں قطع وبرید اور تحریف وتغییر نہ صرف یہ کہ جائز ہے، بلکہ وقت کا اہم ترین فریضہ ہے''۔

(بحوالہ فکر ونظر، ج:١، ش:١، ص:١٦)

کیا اس کا یہ مطلب نہیں کہ شریعت محمدیہ کے مقابلہ میں ان متجددین نے ایک نئی شریعت ایجاد کر لی ہے اور ان کی شریعت میں نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج جیسے اسلام کے بنیادی ارکان بھی کوئی وقعت اور اہمیت نہیں رکھتے، بلکہ اس سے بڑھ کر ان کے نزدیک تو قرآن کریم بھی کوئی مکمل اتھارٹی نہیں، بلکہ ایک گونہ نظیر ہے، جیسا کہ ادارہ تحقیقات اسلام کا سربراہ ڈاکٹر فضل الرحمٰن کہتا ہے کہ:

''اس قسم کے واقعات کو (جن میں قرآن کریم اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی فیصلہ فرمایا ہو۔ ناقل)) نبی کا معیاری نمونہ اور ایک گونہ نظیر تو سمجھا جا سکتا ہے، اسے متشددانہ طور پر حرف بحرف قانون کا درجہ نہیں دیا جا سکتا''۔

(فکر ونظر، ج:۱،ش:۱،ص:۱۸)

اسی طرح ڈاکٹر فضل الرحمٰن ابدیتِ قرآن کی نفی کرتے ہوئے گوہر فشانی فرماتے ہیں:

''نصوص قرآن پر تبدیلی کئے بغیر اڑے رہنے سے ان کی علت غائی اور مقصد حقیقی کا فوت ہوجانا یقینی ہے''۔ (فکر ونظر، ج:۱،ش:۷،ص:۷۶)

اسی طرح نسخ قرآن کی تلقین کرتے ہوئے استاد مغرب کا وفادار شاگرد لکھتا ہے کہ:

''قدامت پسندوں کی اصطلاح میں جس طرح دور نبوی میں ناسخ ومنسوخ کا سلسلہ جاری تھا، ضروری ہے کہ اب بھی جاری رکھا جائے، ورنہ کیا تاریخ کے حالات جم کر رہ جائیں گے''۔ (تجدد پسندوں کے افکار ص:۹۸ بحوالہ فکر ونظر، ج:۱ش:۷،ص:۸۷)

جناب! اگر آپ بھی ایسے اجتہاد کے شائق اور آرزومند ہیں تو معاف فرمایئے! عالم اسلام میں بسنے والا کوئی صحیح عالم باہوش وحواس آپ کی اس خواہش کی تکمیل اور تعمیل کرنے سے قاصر رہے گا۔

جناب! حج کا حکم قرآن کریم اور سنت نبویہ کی نصوص سے ایک فریضہ محکمہ کی حیثیت سے ثابت ہے، جسے ''مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيْلًا'' کی شرط (یعنی استطاعت) کے ساتھ مقید کیا گیا ہے۔ اب کسی مجتہد کا اجتہاد اور کسی تجدد پسند کی خواہشات اس قرآنی حکم سے دور نہیں کر سکتیں۔

باقی رہا حج کا مہنگا ہونا، جناب! ہم سے زیادہ آپ جانتے ہیں کہ اس عبادت کو اللہ تعالیٰ، اس کے رسول ﷺ یا علماء کرام نے مہنگا نہیں کیا، بلکہ حکمرانوں کی ہوس زر اور ان کی طمع ولالچ نے اسے مہنگا بنایا ہے۔

جناب! آپ نے عبادات کے ضمن میں کہا ہے ''انسانی خدمت سے بڑی خدمت کیا ہو سکتی ہے؟ جو مسیحی دنیا بھر میں کر رہے ہیں، اسپتال بنا کر اور تعلیمی ادارے بنا کر، مسلمان اس کی طرف بہت کم توجہ کرتے ہیں اور عمروں پر زور دیتے ہیں''۔

میرے بھائی! اگر آپ اپنے دل ودماغ سے علماء کرام اور خصوصاً حج وعمرہ کرنے والی مسلم عوام پر غم وغصہ اور شدید ذہنی الجھن کو دور کر کے ایک منٹ کے لئے مسلمانوں کی خدمات کو دیکھیں گے تو آپ کو نظر آئے گا کہ اس حوالہ سے مسلمانوں کی خدمات کم نہیں۔ مسلم عوام کے تعاون سے ہسپتال، اسکول، کالجز، مدارس، مساجد اور رفاہی ادارے رات دن خدمتِ خلق میں مصروف ہیں، نام گنوانا مقصود ہوتا تو درجنوں اداروں کے نام گنوائے جا سکتے تھے، لیکن یہاں نام نہیں، کام مقصود ہے۔ پورا

پاکستان نہیں، صرف کراچی میں بیسیوں ادارے بےلوث انسانیت کی خدمت کررہے ہیں، جبکہ آپ کے ممدوح مسیحی حضرات انسانیت کی بنیاد پر نہیں، بلکہ انسانیت کی آڑ میں مشنری کام کررہے ہیں، اگر انسانیت کی خدمت مقصود ہوتی تو مسلم ممالک کے علاوہ عیسائی ریاستوں میں بھی یہ انسانی خدمت کرتے نظر آتے، کیا وہ انسان نہیں جو اُن ریاستوں میں بھوکے مر رہے ہیں؟۔

حالیہ سیلاب میں جو عام مسلمانوں اور مدارس سے وابستہ افراد نے ان سیلاب زدگان کی خدمت کی ہے، اس کا مغربی میڈیا نے بھی اعتراف کیا ہے، لیکن ان مسیحی مشنریوں نے باوجود صدر، وزیراعظم اور دوسرے حکومتی افراد کی بار بار اپیلوں کے کچھ نہیں کیا۔ یہ ہے ان مسیحی مشنریوں کا دورُخا اور دوغلا کردار۔

میرے بھائی! ہر انسان جانتا ہے جو خوش نصیب اہل ثروت عمرہ وحج کرتے ہیں، یہی وہ حضرات ہیں جو خدمتِ خلق کے ہمہ جہت پہلوؤں پر نظر رکھتے ہوئے ان میں اپنا مال و دولت خرچ کرتے ہیں۔ دور جانے کی ضرورت نہیں، عبدالستار ایدھی کا انٹرویو گزشتہ سالوں میں چھپا تھا، انہوں نے اعتراف کیا کہ جتنا فنڈ مجھے پاکستان کے مسلمان دیتے ہیں، اتنا فنڈ بیرونی دنیا نہیں دیتی۔ مقصد یہ کہ حج وعمرے کرنا اور خدمت خلق کرنا یہ متضاد چیزیں نہیں کہ ایک کے کرنے سے دوسری رہ جاتی ہے یا ان میں کمی آجاتی ہے۔

محترم! جن جید علماء کرام سے آپ نے رجوع کیا اور ان سب نے آپ کی رائے سے اتفاق کیا، کیا ہی اچھا ہوتا کہ ان کے نام اور ان کی آراء کو بھی قید تحریر میں لے آتے، تاکہ آپ کے قارئین کسی تذبذب کا شکار ہونے سے بچ جاتے اور آپ کے تائید کنندگان کے اجتہاد کا مبلغ علم بھی معلوم ہوجاتا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو قرآن وسنت صحیح سمجھنے، اس کے مطابق اپنی زندگی ڈھالنے اور زندگی بھر صراط مستقیم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائیں۔

اس لئے آپ کی خیرخواہی اور ہمدردی کے پیش نظر ہمارا مخلصانہ مشورہ ہے کہ قرآن وسنت اور اسلامی عبادات واعمال کو موضوع سخن بنانے اور اس میں رائے زنی سے اجتناب فرمائیں۔ اسی میں ایمان وعقیدہ کی سلامتی اور آخرت کی بھلائی وبہتری ہے، ورنہ کہیں قرآن کریم کی آیت ”خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةَ ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ“ کا مصداق نہ بن جائیں۔ **ولا فعل اللّٰہ ذالک۔**

وصلی اللّٰہ تعالیٰ علی خیر خلقه سیدنا محمد وعلیٰ اٰله وصحبه أجمعین۔

علم دنیا میں دو راستوں سے آیا ہے

حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ
ضبط وترتیب: حضرت مولانا محمد ادریس میرٹھیؒ

۱..... ایک علم الٰہی ہے جو بذریعہ وحی انبیأ کرام علیہم السلام کے توسط سے دنیا والوں کو پہنچا ہے، اس علم کی معلّم اول خود حضرت حق سبحانہٗ وتعالیٰ شانہٗ کی ذات گرامی صفات ہے اور اس کے اولین شاگرد حضرات انبیأ کرام علیہم السلام ہیں۔ اس مقدس سلسلۂ تلامذہ میں پہلے شاگرد اور متعلم ابو البشر سیدنا آدم علیہ السلام ہیں، جن کے علم وفضل کا لوہا ملائکہ مقربین تک نے مانا ہے اور اس لحاظ سے حضرت آدم علیہ السلام کے ذریعہ ہی اس علم الٰہی کا پہلا درس حظیرۂ قدس کی درس گاہ میں ملأ اعلیٰ کے فرشتوں کو ہی دیا گیا ہے۔ یہ علم الٰہی وہ علم ہے جس کے ادراک ومعرفت سے عقل انسانی قاصر وعاجز ہے، اس لئے کہ یہ حقائق الٰہیہ اور علوم غیبیہ عقل انسانی کی دسترس سے بالاتر اور وراء الوراء (دور سے دورتر) ہیں: ارشاد باری ہے:

''وَلاَیُحِیْطُوْنَ بِشَیْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖ اِلاَّ بِمَاشَآءَ''۔ (البقرہ:۲۵۵)

ترجمہ:۔''اور وہ (انسان) نہیں احاطہ کرسکتے اس کے علم کے کسی حصہ پر بھی، بجز اس کے جو وہ خود (عطا فرمانا) چاہے''۔

اور اس ''بِمَاشَآءَ'' کے استثناء کے تحت ان علوم کا جو حصہ انسانوں کو دیا گیا ہے، وہ علم الاولین والآخرین (اگلوں اور پچھلوں سب کا علم) ہونے کے باوجود بھی ''قدر قلیل'' گویا بحر ذخار کے ایک قطرہ کا مصداق ہے۔ ارشاد الٰہی ہے:

''وَمَا اُوْتِیْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلاَّقَلِیْلاً''۔ (بنی اسرائیل:۸۵)

ترجمہ:۔''اور جو علم تم کو دیا گیا ہے، وہ تو بہت ہی تھوڑا علم ہے''۔

۲..... دوسرا وہ علم ہے جس کا ذریعہ عقل وادراک کا وہ جوہر لطیف ہے جو خالق کائنات نے ہر انسان کی فطرت میں علی فرق المراتب (درجہ بدرجہ) ودیعت فرمایا ہے، جس کا ظہور ہر بچہ میں ہوش سنبھالنے سے پہلے ہی شروع ہوجاتا ہے اور سن وسال نیز محسوسات ومشاہدات اور تجربات کے

اضافہ کے ساتھ ساتھ بڑھتا اور ترقی کرتا رہتا ہے۔

بحیثیت مجموعی ہر دور میں عقل انسانی میں جتنی پختگی پیدا ہوتی گئی، یہ ''فکری ونظری علم'' بڑھتا اور ترقی وتنوع اختیار کرتا رہا اور جوں جوں نسل انسانی کو نت نئی حاجات وضروریات پیش آتی رہیں، ان کو پورا کرنے کی تگ ودو میں اس علم کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہوتا رہا۔

لیکن اس علم انسانی کے مبادی: محسوسات ومشاہدات وتجربات سے انتفاع میں بھی عقل انسانی کی ابتدائی رہنمائی وحی والہام الٰہی کے ذریعہ ہی ہوئی ہے اور تمام تر صنعتوں اور حرفوں کے اصول ومبادی کے معلم اول بھی انبیأ کرام علیہم السلام ہی ہوئے ہیں۔

چنانچہ تمام مفسرین اس پر متفق ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام کی وہ تمام تر آسمانی تعلیمات جن کی تبلیغ وتعلیم کے لئے اُنہیں مبعوث کیا گیا تھا۔ معبود حقیقی کی ابتدائی معرفت اور اس روئے زمین پر انسانی زندگی کے ابتدائی لوازمات: غذا، لباس اور مسکن کے مہیا کرنے کے طریقوں کی تعلیم پر مشتمل تھیں۔ حضرت ادریس علیہ السلام خیاطت (کپڑا سینے) کے معلم اول تھے، حضرت نوح علیہ السلام کشتی سازی اور جہاز سازی کے معلم اول ہوئے ہیں، حضرت داؤد علیہ السلام آلاتِ حرب میں سے زرہ سازی کے معلم اول اور حضرت سلیمان علیہ السلام فنونِ لطیفہ میں سے عمارت سازی اور ظروف سازی کے معلم اول ہوئے ہیں۔ معدنیات میں سے خام لوہے سے فولاد تیار کرنے اور تانبہ کو سیال کرنے کی صنعت کے معلم اوّل بھی حضرت داؤد وسلیمان علیہما السلام ہی ہوئے ہیں، قرآن کریم کی نصوص اور صریح آیات اس پر شاہد ہیں۔

لیکن یہ تمام علوم جو انسانی عقل اور قوت اختراع کے ذریعہ پَروان چڑھے اور دنیا میں پھیلے، درحقیقت علوم نہیں، بلکہ فنونِ صنعت وحرفت ہیں، جنہیں انسانی عقل، موجوداتِ عالم، خصوصاً زمین اور اس کی اندرونی وبیرونی پیداوار، یعنی معدنیات ونباتات وحیوانات، پہاڑوں اور جنگلات کی طبعی پیداوار کے افعال وخواص اور منفعتوں، مضرتوں کے مسلسل مطالعہ اور اس کی تحلیل وترکیب سے انسانی ضروریاتِ زندگی پورا کرنے والی نوبنو ایجادات واختراعات کو سالہا سال تک بروئے کار لاتی رہی ہے اور یہ نوبنو مصنوعات وجود میں آتی رہی ہیں۔

بہرحال قرآن کریم کی روشنی میں یہ تو مسلم ہے کہ حیات انسانی کے ابتدائی مراحل میں عقل انسانی کی رہنمائی بھی وحی الٰہی کے ذریعہ ہوئی ہے، بلکہ مستدرک حاکم کی ایک روایت سے تو معلوم ہوتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی ذریت میں نسلاً بعد نسل جو صنعتیں اور حرفتیں قیامت تک وجود میں آنی والی تھیں، جن کی تعداد اس روایت کے بموجب ایک ہزار ہے، وہ سب اللہ جل شانہٗ نے حضرت آدم علیہ السلام کو سکھائی ہیں، آیتِ کریمہ: ''وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْأَسْمَآءَ کُلَّهَا'' سے اس

روایت کی تائید ہوتی ہے۔ فلسفہ توالد وتناسل کی رو سے بھی آدم یعنی ابو البشر کی خلقت اور فطرت میں اُن تمام کمالات وفنون کے اجمالی نقوش موجود ہونے ضروری ہیں، جو اُن کی ذریت میں بطورِ توارثِ نسلِ انسانی کے مختلف ادوار میں وجود میں آنے والے ہیں۔

اس جہانِ حدوث وفنا، یعنی دنیا کے بقا وارتقا کے لئے یہ علوم عقلیہ صناعیہ اور ضروریاتِ زندگی کی کفیل صنعتیں بے حد ضروری ہیں اور ہر دور میں حق تعالیٰ شانہٗ عقل وادراکِ انسانی کی تحقیقات وتجربات کے ذریعہ اپنی گوناگوں عنصری، معدنی، نباتاتی اور حیوانی مخلوق میں چھپی ہوئی بیشمار صلاحیتیں، منفعتیں اور مضرتیں ظاہر فرماتے اور منظر عام پر لاتے رہے ہیں، اس لئے کہ خالقِ کائنات نے حضرت انسان کو ہی ان پر متصرف بنایا ہے اور انہی ارضی وسماوی کائنات ومخلوقات سے اس کی زندگی وابستہ ہے، ارشاد ہے:

۱۔''وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَافِي الْأَرْضِ''۔ (الجاثیہ:۱۳)

ترجمہ:۔''وہ جو آسمانوں اور زمینوں میں ہے، سب تمہارے تصرف میں دے دیا ہے''۔

۲۔''وَخَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعاً''۔ (البقرہ:۲۹)

ترجمہ:۔''جو کچھ زمین میں ہے، سب تمہارے لئے ہی پیدا کیا ہے''۔

چنانچہ انسانی عقل اور قوتِ اختراع کے ذریعہ''خَلَقَ لَكُمْ''اور''سَخَّرَ لَكُمْ'' کی عملی تفسیر ہمیشہ سامنے آتی رہی ہے اور رہتی دنیا تک آتی رہے گی، نئی نئی ''دریافتیں'' ہوتی رہیں گی اور نو بنو ایجادات ومصنوعات منظر عام پر آتی رہیں گی، نہ کائنات میں اللہ تعالیٰ کی ودیعت فرمودہ افعال وخواص اور منفعتوں اور مضرتوں کی کوئی حد وانتہاء ہے اور نہ ہی انسانی ایجاد واختراع کی کوئی حد ونہایت ہے۔ درحقیقت خالق کائنات کی ان نو بنو شئون الٰہیہ کے تحت جن کے متعلق ارشاد ہے:''كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ''(رحمٰن:۲۹) ہر روز اس کی نئی شان اور نرالی شان ہے، ہر نیا دن اپنے ساتھ نئی نئی دریافتیں اور نو بنو ایجادات واختراعات لاتا ہے۔ اس طرح ایک طرف اس کارخانۂ قدرت کی لامحدود وسعت، ہمہ گیری اور احاطہ کا اور دوسری طرف روز افزوں دولت وثروت اور نو بنو لوازمِ معیشت کا ظہور ہوتا ہے اور حق جل وعلا کے کمال علم وقدرت اور محیر العقول کائناتی نظام کی حکمتیں اور اسرار ظاہر ہوتے رہتے ہیں، تاکہ یہ حضرت انسان ان آیات بینات (روشن دلائل) کو دیکھ کر زبانِ حال اور زبانِ قال دونوں طریق پر اعتراف کرتے رہیں:

''رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلاً''۔ (آل عمران:۱۹۱)

ترجمہ:۔''اے پروردگار! بیشک تو نے اس (کارخانۂ قدرت) کو (یونہی) بیکار وبے فائدہ نہیں پیدا کیا ہے''۔

ظاہر ہے کہ دنیا کی یہ گوناگوں ارضی وسماوی موجودات اور ان کے حقائق وعجائبات اور اسرار وحکم کے دریافت واکتشافات کا کفیل عقل وادراکِ انسانی ہی کو بنایا گیا ہے، اسی میں وہ شب وروز مصروف ومنہمک ہے اور قیامت تک رہے گی، اسی لئے کسی رِندمشرب کا مقولہ ہے کہ: ’’خدا اور انسان اپنی تخلیق پیہم سے زندہ ہیں‘‘۔ بات ایک حد تک صحیح ہے، لیکن اندازِ بیان عظمت وجلال خداوندی کے منافی اور تعبیر گستاخانہ ہے۔

ان صنائی علوم کا انبیأ علیہم السلام کے فرضِ منصبی سے کوئی تعلق نہیں۔ نبوت کا فرض منصبی تو یہ ہے کہ ان حقائق الٰہیہ اور مرضیاتِ خداوندی کو وہ بیان کریں، جن کی معرفت سے عقل انسانی قاصر ہے۔ اسی لئے خاتم انبیاءﷺ نے ایک موقع پر ارشاد فرمایا ہے: ’’أنتم أعلم بأمور دنیاکم‘‘۔ ’’دنیاوی دھندوں کو تم خود ہی خوب جانتے ہو‘‘۔

انبیأ علیہم السلام کا اصلی کام حق تعالیٰ کی ذات وصفات وکمالات کی معرفت، عبادت، وطاعت الٰہی کے طریقوں اور ’’مَا فِي السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ‘‘ سے انتفاع واستعمال کے سلسلہ میں مرضیاتِ الٰہیہ اور منشاء خداوندی سے آگاہ کرنا، مبدأ ومعاد کے احوال، مرنے کے بعد کی زندگی کے کوائف، حساب وکتابِ اعمال کی تفصیلات اور جزاء وسزا، جنت ودوزخ وغیرہ حقائق دینیہ کا بیان کرنا ہے، یہ وہ علم ہے جس کو عقل انسانی قطعی ادراک نہیں کرسکتی۔

اگر اس نظام کا بقا وارتقا اُن دنیوی علوم وفنون اور وسائل وضروریات کی تکمیل پر موقوف ہے تو دنیا کا معنوی بقا، روحانی ارتقا انسان کی درندگی اور بہیمیت سے محفوظ ’’انسانیت‘‘ کی تعلیم وتربیت پر موقوف ہے، اگر نفوس کی تعلیم وتربیت، قلوب کی اصلاح وتزکیہ اور اس ’’خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيْعاً‘‘ (بقرہ:۲۹) یعنی ’’جو کچھ زمین میں ہے، سب تمہارے فائدے کے لئے پیدا کیا ہے‘‘ سے انتفاع میں عقل انسانی کی صحیح رہنمائی ’’علوم وحی‘‘ یعنی مذہب اور دین الٰہی کے ذریعہ نہ کی جائے اور عقل انسانی کو آزاد اور شتر بے مہار کی طرح بے لگام چھوڑ دیا جائے تو یہ پورا کارخانۂ قدرت اور سارا عالم خود اسی انسان کے ہاتھوں جس کی فلاح وبہبود کے لئے یہ پیدا کیا گیا ہے، یکسر تباہ وبرباد ہوجائے اور روئے زمین فساد وبربریت، قتل وغارت اور درندگی کی آماجگاہ بن کر رہ جائے، جس کی نشاندہی آیتِ کریمۂ ذیل میں کی گئی ہے:

’’ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ‘‘۔ (روم:۴۱)

ترجمہ:۔ ’’بحر وبر میں لوگوں کے کرتوتوں کی وجہ سے ایک فساد برپا ہے‘‘۔

اس لئے قانونِ قدرت کا تقاضا اور بقائے اصلح کے اصول کا فیصلہ یہی ہے کہ ہر دور میں اس سرزمین پر انسانی دسترس سے بالاتر قانونِ الٰہی اور مذہب سماوی کا وجود ضروری ہے، تاکہ

انسان انسان رہیں، حیوان اور درندے نہ بن جائیں۔

موجوداتِ عالم سے انتفاع اور ان کے استعمال پر مذہب، یعنی احکام الٰہیہ کی یہ پابندی اس لئے بھی ضروری اور ناگزیر ہے کہ خالق کائنات نے جس طرح انسان کی ''عبدیت'' یا کہئے عقل وخرد کی آزمائش اور اس کے اشرف المخلوقات ہونے کی اہلیت کو ظاہر کرنے کی غرض سے خود انسان کی خلقت میں نکوکاری و پرہیزگاری اور فسق وفجور و بدکاری دونوں کے رجحانات فطری طور پر رکھ دیئے، ارشاد ہے:

''فَأَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰيهَا''۔ (شمس:۸)

ترجمہ:۔''پس دل میں ڈال دیا اس کے اس کی بدکاری کو اور پرہیزگاری کو''۔

اور متنبہ فرمادیا:

''قَدْ أَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا''۔ (شمس:۹،۱۰)

ترجمہ:۔''بیشک جس نے اس نفس کو پاک وصاف کرلیا، اس نے فلاح پائی اور جس نے اس کو زندہ درگور کردیا، وہ خسارہ میں رہا''۔

اسی طرح انسان کے تصرف اور استعمال میں دی جانے والی تمام موجوداتِ عالم میں منفعت اور مضرت دونوں قسم کے خواص واثرات بھی رکھ دیئے۔ دنیا کی کوئی بھی چیز نہ اس طرح منفعت رساں ہے کہ اس میں مضرت کا شائبہ بالکل نہ ہو اور نہ ایسی مضرت رساں کہ اس میں منفعت کا کوئی شائبہ نہ ہو، حتی کہ سمیات (زہریلی اشیاء) میں بھی عظیم منافع موجود ہیں، پھر صرف اتنا ہی نہیں کہ منفعت ومضرت کا کوئی یکساں اور مطرد ضابطہ نہیں، بلکہ ایک ہی چیز ایک وقت اور ایک حالت میں نافع، مفید اور حیات آفرین ہے اور وہی چیز دوسرے وقت اور دوسرے حالات میں سخت مضر اور ہلاکت خیز ہوتی ہے۔

طبائع اور امزجہ میں بھی اسی طرح کا فرق اور تفاوت رکھا کہ ایک ہی چیز ایک شخص کے لئے مضر اور مہلک ہے اور وہی چیز دوسرے شخص کے لئے مفید اور صحت بخش ہے اور اس متنوع اور متضاد افعال وخواص کی حامل موجودات پر متصرف بنادیا۔ اس نکوکاری اور بدکاری دونوں قسم کے متضاد رجحانات کی مالک مخلوق انسان کو پھر اچھی بری، مفید ومضر اشیاء کے انتخاب کا اختیار صرف عقل وخرد کے ہاتھ میں نہیں دیا، بلکہ نفسانی اغراض وخواہشات کو اس انتخاب میں دراندازی کرنے کی پوری ''پاور'' (قدرت) دے دی۔ نتیجہ یہ ہے کہ ہر وقت اور ہر قدم پر عقل وخرد اور نفسانی اغراض وخواہشات میں زبردست کشمکش اور کھینچ تان برپا ہے اور یہ ظلوم وجہول مخلوق یعنی حضرت انسان سر پکڑے حیران کھڑا ہے۔ اسی ہوا وہوس اور عقل وخرد کی کش مکش کے مواقع کے لئے اللہ رب العالمین اپنی اس ''حاملِ امانت مخلوق'' حضرت انسان کی رہنمائی فرماتے ہیں:

''عَسٰى أَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئاً وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ، وَعَسٰى أَنْ تُحِبُّوْا شَيْئاً وَّهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ وَاللهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لاَتَعْلَمُوْنَ''۔ (البقرہ:۲۱۶)

ترجمہ:۔''بہت ممکن ہے کہ تم کو ایک چیز پسند نہ ہو اور وہی چیز تمہارے لئے بہتر

ہو، اور ایسا بہت ممکن ہے کہ تم کسی چیز کو پسند کرو اور وہی تمہارے لئے بری اور مضر ہوا، اللہ ہی (حقیقت حال) جانتا ہے، تم نہیں جانتے''۔

یعنی زمام اختیار ''ہوا و ہوس'' کے ہاتھ میں ہرگز مت دینا اور ہمیشہ حکم خداوندی کے مطابق اچھے برے اور پسند و ناپسند کا فیصلہ کرنا، ورنہ تباہ ہو جاؤ گے۔ اس لئے بھی موجودات عالم اور انسانی اختراع کردہ مصنوعات سے انتفاع اور ان کے استعمال کے بارے میں انسان کی رہنمائی اور دستگیری کی شدید ضرورت ہے اور یہ کام مذہب یعنی انسانی دسترس سے بالاتر آسمانی تعلیمات اور احکام الٰہیہ ہی انجام دے سکتے ہیں اور اس نظام عالم کے بقا و تحفظ کے لئے علوم دینیہ کا موجود و محفوظ رہنا از بس ضروری اور ناگزیر ہے۔

الغرض مذہب کی تعلیمات انسان پر روز افزوں دنیاوی ترقی کے دروازے ہرگز بند نہیں کرتیں، اُس کو جاری رکھنے اور اس کے لوازمات مہیا کرنے پر قدغن ہرگز نہیں لگاتیں۔ مذہب کے متعلق اس قسم کی بہتان تراشی اور اس بنیاد پر خدا کی مخلوق کے دلوں میں مذہب سے نفرت اور بیزاری کے جذبات پیدا کرنا درحقیقت خدا دشمن شیطانوں کا شیوہ ہے اور لادینی کی طرف دعوت دینے والے ملحدوں کا رسوا کن پروپیگنڈہ ہے۔

ذرا سوچئے! مذہب اگر انسان پر روز افزوں مادی ترقی کے دروازے بند کرے تو اس کے معنی تو یہ ہوئے کہ لامحدود قدرتِ خداوندی کے نو بنو کرشموں اور عجائبات اسرار الٰہی کے اس ''مظہر'' یعنی کارخانۂ قدرت کی تخلیق عبث ہے اور یہ گردشِ لیل ونہار اور وقت کی رفتار بے معنی اور انسانی فطرت میں ایجاد و اختراع کا جوہر ودیعت فرمانا عبث ہے، حالانکہ خالق کائنات کا ازلی ابدی کلام ''قرآن عظیم'' اسی آسمان و زمین کی متنوع اور گوناگوں مخلوق اور اسی روز و شب کی گردش یعنی وقت کی رفتار کو اربابِ بصیرت کے لئے خالق کائنات کی آیات (عجائبات اور کرشموں) کا مظہر قرار دے رہا ہے، ارشاد ہے:

''إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَآيَاتٍ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ''۔ (آل عمران:۱۹۰)

ترجمہ:۔ ''بیشک آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے میں اور رات دن کی گردش میں ارباب عقل و خرد کے لئے بیشمار (قدرت کی) نشانیاں (رکھی ہوئی) ہیں''۔

اور انہی آیات کو دیکھ کر تو وہ بے ساختہ کہتے ہیں:

''رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلاً سُبْحَانَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ''۔ (آل عمران:۱۹۱)

ترجمہ:۔ ''اے ہمارے رب! بیشک اس (آسمان و زمین) کو تو نے بیکار اور بے مقصد نہیں پیدا کیا تُو تو (بیکار و عبث کام کرنے سے) پاک و مبرا ہے، پس تو ہم کو جہنم کے عذاب سے بچا (اور اس جہل و کج فہمی اور جحود و عناد سے محفوظ رکھ)''۔

اس لئے مذہب اور دینی تعلیمات پر اس سے بڑھ کر کوئی بہتان نہیں لگایا جا سکتا کہ وہ روز

افزوں ترقیات کے دروازے اپنے ماننے والوں پر بند کرتا ہے یا علوم دینیہ کی اشاعت دنیوی ترقیات کے منافی ہے اور ان علوم کی درس گاہوں کا وجود ملکی ترقی و استحکام کی راہ میں حائل ہے۔

بلکہ مذہب تو ان تمام انسانی ایجادات واختراعات اور مصنوعات پر (جو اب تک ہوئی ہیں یا آئندہ ہوتی رہیں گی) کنٹرول کرتا ہے۔ جس کی بقاؤ ارتقا اور استحکام کے لئے شدید ضرورت ہے کہ ان کا استعمال صحیح اور برمحل ہو، خالق کائنات کے منشا اور مرضی کے خلاف اور منافی نہ ہو، انسانیت کی فلاح و بہبود کے لئے استعمال کیا جائے، انسانیت کو ظلم وعدوان کی قربان گاہ پر بھینٹ چڑھانے کے لئے ان سے کام ہرگز نہ لیا جائے، روئے زمین پر امن وسلامتی قائم کرنے اور معاشی، اقتصادی اور سیاسی فتنہ وفساد، استعماری لوٹ کھسوٹ کو مٹانے کے لئے ان سے کام لیا جائے، کمزور قوموں کو مغلوب ومقہور کرکے ان کے ملکوں کے ذخائرِ ثروت ورفاہیت پر ڈاکہ ڈالنے اور استحصال بالجبر کرنے کی غرض سے ہرگز ہرگز ان سے کام نہ لیا جائے۔

اسلام تلوار بنانے پر پابندی نہیں لگاتا، ہاں اس کے استعمال پر ضرور پابندی عائد کرتا ہے کہ صحیح طریق پر اس کو استعمال کیا جائے، کیوں؟ صرف اس لئے کہ تلوار ایک ظالم و بے رحم قاتل سے قصاص لینے کے لئے بھی استعمال کی جاسکتی ہے اور ایک بے قصور اور بے گناہ انسان کو اپنی شیطانی اغراض وخواہشات کی راہ سے ہٹانے کے لئے بھی استعمال کی جاسکتی ہے۔

اسی طرح اسلام عہد حاضر کے حربی اسلحہ، ٹینک، طیارہ شکن توپیں، بمبار طیارے، میزائل، ریڈار اور طرح طرح کے ہلاکت خیز بم بنانے سے منع نہیں کرتا، ہاں ان کے استعمال پر پابندی ضرور لگاتا ہے کہ یہ تمام سامانِ حرب اور آلاتِ جنگ صرف ملک وملت کے دفاع اور اسلام اور مسلمانوں کے دشمنوں کے ظلم وعدوان کا مقابلہ کرنے اور دنیا میں امن وامان قائم کرنے کے لئے استعمال کئے جائیں۔ استعماری اغراض، کمزور قوموں اور ترقی پذیر ملکوں کو اس حربی طاقت کے دباؤ اور زور سے مغلوب ومرعوب کرکے ان ملکوں کی پیداوار، دولت وثروت پر ڈاکے ڈالنے کے لئے ہرگز استعمال نہ کیا جائے کہ یہ عمرانی عدل وانصاف اور مساوات کے منافی اور روئے زمین پر عالمگیر فتنہ وفساد برپا کرنے کا موجب ہے، جیسا کہ مذکورہ سابق آیتِ کریمہ میں اس پر تنبیہ کی گئی ہے۔

غرض اسلام مقصد کی تعیین، نیت کی تصحیح، نفوس کے تزکیہ کی اہم ترین ضرورت کو پورا کرتا، اور مقدس ترین فرض کو انجام دیتا ہے، تاکہ عمل خود بخود صحیح ہو جائے۔ حاصل یہ ہے کہ نظام عالم کو برقرار رکھنے کے لئے دونوں قسم کے علوم، عقلی اور نظری علوم، دینی اور آسمانی علوم کا بقا اور تحفظ ضروری اور ناگزیر ہے۔ عقلی اور صناعی علوم وفنون کے بقاء، تحفظ اور ارتقا کی کفیل انسان کی نو بنو حوائج وضروریات ہیں، وہ خود انسان کو معاشی، اقتصادی، سیاسی اور حربی امور میں وقت اور زمانہ کے تقاضوں کے تحت نو

بنوفنون وصنائع، ایجادات واختراعات اور مصنوعات کوعدم سے وجود میں لانے پر مجبور کرتی رہیں گی۔

علوم دینیہ الٰہیہ کو دنیا میں لانے اور محفوظ رکھنے والے انبیأ کرام علیہم السلام ہیں اور ان کے بعد ان انبیأ علیہم السلام کے ورثا، یعنی حاملین علوم انبیاءؑ ''علماء حق'' ہیں، اس لئے کہ انبیأ علیہم السلام دینار ودرہم، مال ومتاع، جائداد وجاگیر ترکہ میں نہیں چھوڑتے، بلکہ علوم نبوت کی وراثت چھوڑتے ہیں، جو ان کے نقش قدم پر چلنے والے حاملین علوم نبوت یعنی علماء دین کے طبقہ میں قرناً بعد قرن منتقل ہوتی چلی آتی ہے اور نظام عالم کے توازن کو برقرار رکھتی ہے، خاص کر خاتم النبیین سید الاولین والآخرین ﷺ کی امت کے علمأ اور حاملین علوم کتاب وسنت کہ ان کے متعلق تو سرور کائنات ﷺ کا ارشاد ہے: ''العلماء ورثة الأنبياء ''اس حدیث کے پیش نظر علماء امت کا کام وہی ہے جو انبیأ علیہم السلام کا کام ہے۔

اس بحث وتنقیح سے یہ بات تو بالکل ہی صاف اور واضح ہوجاتی ہے کہ علوم دنیا اور علوم آخرت میں کوئی نزاع یا تصادم قطعاً نہیں ہے، ہاں دونوں کے مقاصد اور دائرۂ کار جدا جدا ہیں، اسی لئے یہ بالکل حقیقت ہے کہ اگر ان انسانی علوم وصنائع کو خالق کائنات کی مرضی اور منشاء کی روشنی میں انسانیت کی خدمت کے لئے وقف کردیا جائے تو یہ دنیا ساری دین بن جائے اور پھر دین اور دنیا کی تفریق جو محض ایک شیطانی مفروضہ اور منصوبہ ہے، بالکل ہی مٹ جائے۔ بالکل اسی طرح جیسا کہ اگر انہی علوم انبیأ کو حصول دنیا اور جلب خواہشات واغراض نفسانی کا وسیلہ بنالیا جائے تو نہ صرف یہ کہ پورا دین دنیا بن جاتا ہے، بلکہ خالق کائنات کی امانت میں خیانت اور بہت بڑا جرم ہوجاتا ہے۔ اس لئے کہ اگر دنیا کا حصول دنیا کے وسائل کے ذریعہ ہوتو عین مصلحت اور عقل کا تقاضا ہے، اس میں کوئی قباحت نہیں، لیکن اگر دین کو صرف حصول دنیا کا وسیلہ بنالیا جائے تو یہ ''وضع الشئ في غير محله'' چیز کا بے محل استعمال ہے اور بہت بڑا ظلم اور انتہائی قبیح جرم ہے۔

اسی طرح یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ علوم نبوت کا اصلی مقصد آخرت کے ثمرات وبرکات تو ہیں ہی، لیکن آخرت سے پہلے اسی دنیاوی زندگی میں انفرادی اور اجتماعی حیات طیبہ اور پاکیزہ ماحول کی تشکیل اور صالح وخدا شناس وخدا پرست معاشرے کی تخلیق بھی علوم انبیأ کا اہم فریضہ ہے، جس کے بارے میں وہ دنیا وآخرت دونوں میں مسئول ہیں۔ خدا شناسی، خدا پرستی، خدمت خلق، امن وامان کی ضمانت، انسانیت کی فلاح وبہبود وغیرہ انسانی کمالات وفضائل اور وسائلِ سعادت ایک قابل رشک معاشرے کے وہ خدوخال ہیں، جو انسان کو صحیح معنی میں مسجود ملائک اور اشرف المخلوقات بنادیتے ہیں اور علوم آخرت کے وہ ثمر پیش رس ہیں، جو اس دنیا کو بھی جنت بنادیتے ہیں۔

یہ تو علوم الٰہیہ دینیہ کی برکات ہیں، اس کے برعکس نرے عقلی اور فنی علوم وفنون کی ہلاکت

آفرینی اور ایک ایسے لادینی معاشرے کا جہنمی چہرہ اور انسانیت کے لئے نہ صرف باعث ننگ وعار، بلکہ انتہائی بھیانک خدوخال بھی دیکھئے جو علوم الٰہیہ دینیہ سے باغی اور خدا اور سول کی تعلیمات سے نہ صرف محروم، بلکہ ان کی بیخ کنی کے درپے ہے اور صرف نفسانی اغراض وخواہشات کے ہاتھوں میں اس کی باگ ڈور ہے، حالانکہ فنی (سائنسی) علوم وفنون اور اختراعات وایجادات کے اس معراج کمال پر پہنچا ہوا ہے کہ کائنات ارضی کو بزعم خود مسخر کر لینے کے بعد کائنات سماوی کی تسخیر کی تگ ودو میں مصروف ومنہمک ہے، ان فنی اور سائنسی علوم وفنون کی پیداوار کیا ہے؟ اور ایسے لادینی معاشرہ کے خدوخال کیا ہیں؟ فرعونیت اور قہاریت ہے، بے پناہ ظلم وعدوان ہے، عالمگیر اقتدار وتسلط کا بھوت ہے، درندے بھی جس سے شرمائیں وہ بے رحمی اور قساوت ہے، جانور بھی جس سے کترائیں وہ خود غرضی اور نفس پرستی ہے، کمزورکشی اور استحصال بالجبر ہے، بے دریغ خونریزی اور جہاں سوزی ہے، عریاں درندگی اور بہیمیت ہے، یہ وہ انسانیت سوز نحوستیں اور لعنتیں ہیں جنہوں نے قیامت سے پہلے ہی اس روئے زمین کو جہنم بنا رکھا ہے۔

ان فراعنۂ وقت امریکہ، روس اور برطانیہ وغیرہ طاغوتی طاقتوں کے سیاہ کارنامے، ننگِ انسانیت عزائم اور مادی طاقت کے مظاہرے آپ روزانہ اخبارات میں پڑھتے رہتے ہیں۔ دیکھا آپ نے ان نرے مادی علوم وفنون کے ارتقا اور سائنسی اکتشافات وایجادات کی فراوانی نے اس وقت دنیا کو کس خطرناک دوراہے بلکہ جہنم کے کنارے لاکر کھڑا کردیا ہے؟۔ آپ کو معلوم ہے کہ روس میں امریکہ کو تباہ کرنے اور جہنم بنا دینے کے لئے غیر معمولی پاور کے ایٹم بم اور ہائیڈروجن بم اور میزائل راکٹوں کے اندرفٹ جہاں سوزی کے لئے تیار رکھے ہوئے ہیں اور امریکہ میں روس کو جہنم بنا دینے کے لئے ناقابل قیاس پاور والے آتش بار بم تیار رکھے ہوئے ہیں، صرف بٹن دبانے کی دیر ہے، آن کی آن میں امریکہ روس کو ہیروشیما اور روس امریکہ کو ہیروشیما بنا سکتا ہے اور ان دونوں براعظموں میں برسنے والے بموں کے ذرات اور تابکاری کے اثرات یورپ اور ایشیا کو پھونک ڈالنے کے لئے کافی ہیں، یہ ہے علوم آخرت کی گرفت سے آزاد محض عقلی اور سائنسی علوم وفنون اور سائنسی ارتقا کا کارنامہ۔

ہاں! اگر علومِ آخرت کے کنٹرول میں رہ کر اور ان کی سرپرستی ونگرانی میں یہ فنی اور سائنسی علوم وفنون اور ایجادات واختراعات پروان چڑھیں اور ترقی کریں تو یقیناً یہ سائنسی علوم وفنون فلاح انسانیت اور خدمت خالق ومخلوق کے بہترین وسائل بن سکتے ہیں، اس لئے بھی علوم دینیہ کی درس گاہوں اور حاملین علوم نبوت یعنی علماء دین کا بابرکت وجود اس روئے زمین خصوصاً مملکت پاکستان کے لئے ازبس ضروری اور ناگزیر ہے۔

عورتوں کا اجنبی مردوں سے برتاؤ

حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ

قرآن مجید کے اندر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ عورتوں کو یہ تعلیم دی گئی ہے:

''اجنبی مردوں کے ساتھ ایسا برتاؤ کریں جس سے نفرت پائی جائے، نہ کہ محبت والفت''۔

واقعی غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن میں جذبات کی پوری رعایت ہے، نرم لہجہ سے اجنبی شخص کو ضرور میلان ہوتا ہے، کیسی عجیب سچی بات ہے اور سخت لہجہ سے اجنبی مرد کو نفرت ہوتی ہے۔ الغرض عورتوں کے لئے قرآن کی تعلیم یہ ہے کہ پردہ کے ساتھ بھی اجنبی مرد کے ساتھ نرم لہجہ سے گفتگو مت کرو، اس طرح سے آواز کا بھی پردہ ہے۔ عورت کے لئے تہذیب یہی ہے کہ غیر آدمی سے روکھا برتاؤ کرے۔ افسوس ہے کہ مسلمانوں نے قرآن کو چھوڑ دیا، حق تعالیٰ تو فرماتے ہیں: ''کسی سے نرم لہجہ سے بات نہ کرو''۔

دیکھئے! اس آیت کی مخاطب وہ عورتیں ہیں جو مسلمانوں کی مائیں تھیں، یعنی ازواج مطہراتؓ، ان کی طرف کسی کی بری نیت جا ہی نہیں سکتی تھی، مگر ان کے لئے بھی یہ سخت انتظام کیا گیا تو دوسری عورتیں تو کس شمار میں ہیں؟ ازواج مطہراتؓ سے حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ مردوں کے ساتھ نرم لہجہ سے بات مت کرو، جب بات کرنا ہو تو خشک لہجہ سے کرو، جس سے مخاطب یہ سمجھے کہ بڑی کھری اور ترّی اور تلخ (بد) مزاج ہیں، تاکہ ''**لاحول**'' ہی پڑھ کر چلا جائے، نہ یہ کہ نرمی سے گفتگو کرو کہ میں آپ کی محبت کا شکریہ ادا کرتی ہوں، مجھے جناب کے الطافِ کریمانہ کا خاص احساس ہے۔ استغفر اللہ!

لوگوں نے آج کل اس کو تہذیب سمجھ لیا ہے اور بعض لوگ اس پر کہہ دیتے ہیں کہ صاحب! بتلایئے کہ فساد ہو رہا ہے؟ ہم کو تو نظر نہیں آتا؟ میں کہتا ہوں کہ اول تو فساد موجود ہے اور

اگر تم کو نظر نہیں آتا تو ممکن ہے کہ بہت قریب آگے چل کر یہ لہجہ کچھ رنگ لائے، اس وقت سب معلوم ہوگا اور مجھ کو تو اس وقت معلوم ہو رہا ہے۔ اہل نظر شروع ہی میں کھٹک جاتے ہیں کہ یہ چیز کسی وقت میں رنگ لائے گی۔

حیا و فطرت کا مقتضیٰ:

اول تو عورتوں کو غیروں سے بولنا ہی نہیں چاہئے، مگر بضرورت بولنا جائز ہے تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ سختی سے گفتگو ہو، تاکہ دوسرے کے دل میں کشش اور میلان پیدا نہ ہو اور عورتوں کے لئے یہ طریقہ شرعی حکم ہونے کے علاوہ طبعی (اور فطری تقاضا) بھی ہے۔ حیا عورت کے لئے طبعی امر ہے اور اس کے آثار ان دیہاتی عورتوں میں جن پر حیا زائل ہونے کے اسباب نے اثر نہیں کیا، موجود ہیں۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ طبعی بات عورت کے لئے یہی ہے کہ غیر مردوں سے میل جول نہ کرے، اور کوئی ایسی بات، قول (گفتگو) یا عمل میں اختیار نہ کرے، جس سے میل جول یا کشش پیدا ہو۔

دیہات میں دیکھئے کہ بھنگن و چمارن سے خطاب کیجئے تو وہ منہ پھیر کر اول تو اشارہ سے جواب دے گی، مثلاً: راستہ پوچھئے تو انگلی اٹھا کر بتا دے گی کہ ادھر ہے اور اگر بولنا ہی پڑے تو بہت تھوڑے الفاظ میں مطلب کو ادا کر دے گی، نہ اس میں القاب ہوں گے، نہ آداب، نہ ضرورت سے زیادہ الفاظ، نہ آواز نرم ہوگی، بلکہ اس طرح بولے گی جیسے کوئی زبردستی بات کرتا ہے۔ چونکہ دیہات والوں میں یہ اخلاق طبعی موجود ہوتے ہیں اور ان سے انحراف (یعنی آزادی و بے باکی) کے اسباب وہاں نہیں پائے جاتے، اس واسطے دیہاتیوں کے اخلاق و عادات اپنی اصلی حالت پر ہوتے ہیں۔ مگر افسوس ہے کہ آج کل طبعی اخلاق سے دوری ہوگئی ہے، اور جو باتیں بری سمجھی جاتی تھیں، وہ اچھی سمجھی جانے لگی ہیں، حتی کہ اس قسم کے مضامین اور ایسے خیالات اور ایسے جذبات جن سے خواہ مخواہ میلان ہو، آج کل ہنر سمجھے جانے لگے ہیں۔ اس سے بہت پرہیز کرنا چاہئے۔ اللہ محفوظ رکھے، یہ سب اثر ہے اس نئی تعلیم کا۔

یہ (کالجوں اور اسکولوں کی) تعلیم عورتوں کے لئے تو نہایت ہی مضر ہے۔ عورتوں کی تعلیم کا وقت بچپن کا ہوتا ہے، مگر آج کل شہروں میں بچپن ہی سے لڑکیوں کو نئی تعلیم دی جاتی ہے، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ اس تعلیم کے آثار و نتائج ان کی رگ و پے میں سرایت کر جاتے ہیں، پھر دوسری کوئی تعلیم ان پر اثر ہی نہیں کرتی۔ لڑکیوں کی مثال بالکل کچی نرم لکڑی کی سی ہے، اس کو جس صورت پر قائم کر کے خشک کر دو گے، تمام عمر ویسی ہی رہے گی۔ جب بچپن ہی سے نئی تعلیم دی گئی، نئے اخلاق سکھائے گئے، نئی وضع قطع، اور نیا طرزِ معاشرت ان کی نظروں میں رہا تو وہ اسی میں پختہ ہوگئیں، بڑی ہو کر ان کی اصلاح کسی طرح نہیں ہوسکتی، لہذا ضرورت ہے کہ بچیوں کو نئی تعلیم کے بجائے پرانی (دینی) تعلیم دیجئے۔

اجنبی مرد سے نرمی سے گفتگو کرنے کا نقصان:

اس کی دلیل بھی خود اس آیت میں موجود ہے: ''فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ '' کے بعد ہی بطور نتیجہ کے فرماتے ہیں: ''فَيَطْمَعَ الَّذِيْ فِيْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ '' کہ اگر نرم لہجہ سے بات کی گئی تو جس کے دل میں روگ ہے، اس کے دل میں لالچ پیدا ہوگا اور وہ لہجہ کی نرمی سے سمجھ لے گا کہ: یہاں قابو چل سکتا ہے، پھر وہ اس کی تدبیریں اختیار کرے گا۔ دیکھئے! خود حق تعالیٰ لہجہ کی نرمی کا یہ اثر بتارہے ہیں، پھر کسی کی کیا مجال ہے کہ اس اثر کا انکار کرے؟ میں اپنی طرف سے تو نہیں کہہ رہا ہوں، بلکہ الفاظ قرآنی صاف بتلا رہے ہیں کہ عورتوں کا مردوں سے نرم گفتگو کرنے کا یہ اثر ہوتا ہے کہ ان کے دلوں میں لالچ پیدا ہوتا ہے۔

گفتگو کا طریقہ اور قولِ معروف کی تشریح:

اس کے بعد یہ بھی حکم ہے: ''وَقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا'' جس کا ترجمہ یہ ہے کہ جب بات کرو بھی تو ایسی بات کرو، جس کو شریعت میں اچھا مانا گیا ہو: ایک تو یہ کہ بے ضرورت الفاظ مت بڑھاؤ، کیونکہ شریعت اس کو کسی کے لئے پسند نہیں کرتی، شریعت نے کم بولنے ہی کو پسند کیا ہے۔ دوسرے یہ کہ ہر بات سوچ کر کہو، کوئی بات گناہ کی منہ سے نہ نکل جائے۔ معروف کا مختصر ترجمہ معقول ہے، تو معنی یہ ہوئے کہ معقول بات کہو، معقول بات وہی ہوتی ہے جس سے کوئی برا نتیجہ پیدا نہ ہو۔ اور جب ثابت ہو چکا کہ لہجہ کی نرمی سے بھی عورتوں کے لئے برا نتیجہ پیدا ہوتا ہے تو پیار ومحبت کی باتوں سے کیوں برا نتیجہ پیدا نہ ہوگا؟ جس کو آج کل تہذیب سمجھا گیا ہے، اس قسم کی باتیں عورتوں کے لئے معقول نہیں، بلکہ نامعقول ہیں۔

بداخلاقی و بدتہذیبی کا شبہ:

عورت کے لئے یہی ہے کہ غیر آدمی سے روکھا برتاؤ کرے، اور یہ کچھ تعجب کی بات نہیں کہ ایک بات ایک کے لئے معقول ہو اور دوسرے کے لئے نامعقول، ایک کے لئے سختی سے بات کرنا اور بے رخی سے جواب دینا معقول ہوسکتا ہے اور دوسرے کے لئے نامعقول۔ مردوں کے واسطے باہمی کلام کا معقول طریقہ یہ ہے کہ نرمی سے بات کرو، کسی کو سخت جواب نہ دو، روکھا پن نہ برتو، اور عورتوں کے لئے معقول طریقہ یہ ہے کہ اجنبی کے ساتھ نرمی سے بات نہ کریں اور سختی سے جواب دیں اور روکھا برتاؤ کریں۔ ایک بات مردوں کے لئے بری اور عورتوں کے لئے اچھی ہوسکتی ہے، عورتوں کے لئے یہی مناسب ہے کہ جب غیر مردوں سے بات کریں تو خوب روکھے اور سخت لہجہ اور ڈانٹ ڈپٹ کے ساتھ کریں۔ اول تو عورتوں کو غیروں سے بولنا ہی نہیں چاہئے، مگر بضرورت بولنا جائز ہے تو اس کا طریقہ یہی ہے۔

درس گاہِ نبوت کے فیض یافتہ طلبہ
ایک تعارف

مولوی اسد اللہ بن شیر زمین
متخصص علومِ حدیث، جامعہ بنوری ٹاؤن

پیش منظر:

نبوت کا تیرہواں سال ہے، مشرکین مکہ نے مسلمانوں کا ناطقہ بند کر رکھا ہے، اسلام کی کشتی بھنور میں پھنس چکی ہے، نکلنے کے لئے سمت کی تلاش جاری ہے، ایسے میں اسلام کو بلند و بالا کرنے کا فیصلہ کرنے والے رب کی طرف سے سمت متعین ہوجاتی ہے، اسلام کا قافلہ بسوئے مدینہ روانہ ہوا، اور مسلمانوں کو حکم ہوا کہ وہ اسلام کی خاطر اپنا گھربار، مال اور اولاد سب کچھ چھوڑ کر اس قافلے کے ہم رکاب ہوں جو بڑی دشوار گذار گھاٹیوں سے گزرنے والا تھا، یہ ایک بہت بڑی قربانی تھی، مگر دوسری طرف صحابہؓ کا ایمان تھا جس کے مقابلے میں یہ قربانی ہیچ تھی۔ ہجرت کے اس طویل اور کربناک سفر کے بعد اسلام کا قافلہ مدینہ پہنچا، اور یثرب کہلانے والا یہ شہر دنیا کے نقشے پر مدینہ کے نام سے ایک مضبوط اسلامی ریاست کی حیثیت سے ابھرا، یہاں پہنچ کر چند مشکل مسائل سے واسطہ پڑا۔ پہلا مسئلہ: مہاجرین کی آبادکاری کا تھا جسے حضور ﷺ نے عقد مؤاخات کے ذریعے خوش اسلوبی سے نمٹادیا۔ دوسرا مسئلہ: مسلمانوں کے لئے ایک اجتماعی مرکز کے قیام کا تھا، جس کے لئے مسجد نبوی کی بنیاد رکھی گئی۔ تیسرا مسئلہ: یہ پیش آیا کہ مہاجرین بہت کثیر تعداد میں آنے لگے، اور انصار کی قلت کی وجہ سے بعض مہاجرین بھائی چارگی کے اس عقد میں شامل نہ ہوسکے۔

اسی طرح حضور ﷺ کی بعثت کا مقصد اسلام کے داعیوں کو تیار کرنا اور مسلمانوں کو تعلیم دینا بھی تھا، جس کے لئے مکہ مکرمہ کی وادی میں ''دارِ ارقم'' کے نام سے ایک خفیہ مرکز قائم تھا، اسی طرز کی ایک دینی درسگاہ کے قیام کی مدینہ میں بھی ضرورت تھی، جس کے لئے مسجد نبوی کے شمالی جانب آخری حصے میں ایک سائبان تیار کیا گیا ہے۔ (۱) اور یوں مدینہ منورہ میں اسلام کی اولین درسگاہ کی

داغ بیل ڈالی گئی، جو گویا اس وقت کے طلبۂ علم اور نو واردمہاجرین کے لئے ایک رہائشگاہ تھی اور یہیں حضور ﷺ نے ایک ایسا مدرسہ قائم کردیا، جس میں رہنے والے طلبۂ علم کی تربیت خود حضور ﷺ نے شروع کی۔ اس درسگاہ کی تعمیر وسائل کی قلت کی وجہ سے ایسی کی گئی جو صرف اوپر سے سایہ دار تھی، اطراف سے چھپی ہوئی نہیں تھی۔ (۲)۔

صُفہ کے مکین:

اس چھپر کے قیام میں حضور ﷺ کا یہ مقصد پنہاں تھا کہ اس کے مکین یہاں سے تربیت پاکر پوری دنیا میں اس نور ہدایت کو عام کرنے والے داعی بن جائیں، چنانچہ اس کے مکین وہ لوگ تھے جو مکہ یا دیگر شہروں سے اسلام سیکھنے مدینہ آئے۔ حضرت طلحہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ: جو شخص اسلام قبول کر کے مدینہ آتا، تو اگر وہاں اس کا کوئی جان پہچان والا ہوتا، اس کے ہاں ٹھہر جاتا، ورنہ اصحاب صُفہؓ کے ساتھ رہائش اختیار کرلیتا۔ (۳) صُفہ میں بعض ایسے انصار بھی تھے جن کا مدینہ میں اپنا گھر موجود تھا، مگر انہیں فقر وزہد والی زندگی پسند تھی، جیسے حضرت کعب بن مالک انصاریؓ، حضرت حنظلہ بن ابی عامر انصاریؓ، حضرت حارثہ بن نعمانؓ اور بعض دیگر انصار کی اقامت بھی صُفہ میں تھی۔ (۴) مگر مہاجرینؓ کی کثرت کی وجہ سے اسے صفۃ المہاجرینؓ کہا جاتا تھا۔ (۵)

اہل صُفہ کا لباس:

فقر وغربت اہل صُفہ پر غالب تھی، جس کی وجہ سے ان کو پورے کپڑے بھی میسر نہ تھے جن سے وہ سردی سے بچ سکتے یا پورے جسم کو چھپا سکتے، بلکہ کوئی چادر گلے میں باندھ لیتے تھے یا کوئی ازار وغیرہ باندھ لیتے تھے، بعض ایسے تھے جن کا کپڑا پنڈلی کے نصف تک پہنچ جاتا تھا اور بعض کا کپڑا تو گھٹنے تک بھی نہیں پہنچتا تھا۔(۶)۔ چنانچہ بعض روایات میں ہے کہ ستر پوری طرح نہ چھپنے کی وجہ سے اہل صُفہ ان کپڑوں میں نکلنے سے شرماتے تھے اور رکوع میں جاتے وقت کپڑوں کو اچھی طرح سے سمیٹ لیتے تھے کہ کہیں ستر کھل نہ جائے۔ (۷)۔ اور چونکہ صُفہ چاروں جانب سے بند نہیں تھا، اس لئے حضرت واثلہ بن الاسقعؓ فرماتے ہیں کہ دھول اٹھنے کی وجہ سے ہمارے کپڑوں پر غبار اور میل کی ایک تہہ چڑھی ہوتی تھی۔ (۸)۔

اہل صُفہ کا کھانا:

اہل صُفہ کی خوراک کے لئے حضور ﷺ نے کئی انتظامات کر رکھے تھے، لیکن صحابہ کرامؓ میں غلبۂ فقر کی وجہ سے اہل صُفہ کی عمومی خوراک کھجور ہی ہوا کرتے تھے، بعض اوقات دو افراد کے لئے یومیہ ایک مد کھجور ملتے تھے۔ (۹)۔ بہت زیادہ کھجور کھانے کی وجہ سے ایک صحابیؓ نے شکایت بھی کی، لیکن حضور ﷺ فقر وغربت کی وجہ سے ان کی خوراک میں بہتری نہ لاسکے اور فرمایا: خدا کی قسم! اگر میری استطاعت ہوتی تو میں تمہیں روٹی اور گوشت کھلاتا، پھر حضور ﷺ نے سفر ہجرت میں اپنی اور

حضرت ابوبکرؓ کی مشکلات کا ذکر کرکے ان کو صبر کی ترغیب دی ۔(۱۰)اسی طرح ایک انتظام حضور ﷺ نے یہ کررکھا تھا کہ اگر آپ ﷺ کے پاس کوئی صدقہ آجاتا تو کچھ تناول کئے بغیر اسے اصحاب صُفہؓ کی طرف بھیج دیتے اور اگر ہدیہ ہوتا تو خود بھی اس سے تناول فرمالیتے اور اصحاب صُفہؓ کو بھی اس میں شریک کرلیتے ۔(۱۱)

اسی طرح حضور ﷺ کی خدمت میں اگر قیدی پیش کئے جاتے تو حضور ﷺ ان کو فروخت کرکے اس کی قیمت اصحاب صُفہؓ پرخرچ کرتے، چنانچہ مسند احمد کی روایت میں ہے کہ حضور ﷺ کے پاس کچھ قیدی آئے، حضورؐ کی چہیتی بیٹی حضرت فاطمہؓ نے آکرعرض کیا کہ: آٹا پیتے پیتے میرے ہاتھ میں چھالے پڑ گئے، اس لئے آپ ہمیں ایک خادم عنایت فرمائیں، تو حضور ﷺ نے حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ سے فرمایا: ''والله لاأعطيكما وأدع أهل الصفة تطوى بطونهم لاأجد ما أنفق عليهم ولكني أبيعهم وأنفق عليهم '' کہ خدا کی قسم! میں ایسا نہیں کرسکتا کہ تمہیں خادم دے کر اہل صفہ کو خالی پیٹ چھوڑ دوں، میرے پاس ان پرخرچ کرنے کے لئے کچھ نہیں، اس لئے میں ان قیدیوں کو بیچ کر ان پرخرچ کروں گا۔(۱۲) بعض دفعہ حضور ﷺ ان کو خود اپنے گھر بلاکر کھلاتے اور جب کبھی کھانا اچھا نہ ہوتا تو معذرت بھی کرتے۔ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ: ''ایک مرتبہ ہم سب اصحاب صُفہؓ کو حضور ﷺ نے کھانے کے لئے بلایا اور جو سے بنایا ہوا کچھ کھانا لے آئے اور پھر فرمایا: اس ذات کی قسم جس کی قبضۂ قدرت میں میری جان ہے کہ جو چیز تمہیں نظر آرہی ہے آل محمد ﷺ میں اس کے علاوہ کوئی کھانا نہیں'' (۱۳)اسی طرح حضور ﷺ شام کے وقت ان اصحاب صُفہؓ کو کھانے کے لئے صاحب استطاعت مسلمانوں پر تقسیم بھی کرتے، کوئی ایک آدمی کو لے جاتا، کوئی دو، کوئی تین، جب کہ حضرت سعد بن عبادہؓ ہر رات ''۸۰'' اصحاب صُفہؓ کو گھر لے جاکر رات کا کھانا کھلاتے۔ (۱۴)اسی طرح اپنی مدد آپ کے تحت بعض اصحاب صُفہؓ کا معمول تھا کہ وہ دن کو لکڑیاں کاٹ کر انہیں بیچتے اور اس سے اہل صُفہ کے لئے خوراک کا بندوبست کرتے۔(۱۵)ان انتظامات کی وجہ سے کبھی ان کو قدرے بہتر کھانا مل جاتا تھا، لیکن اس زمانے میں غلبۂ فقر کی وجہ سے اصحاب صُفہؓ کو اکثر بھوکا ہی رہنا پڑتا تھا اور بعض دفعہ نوبت یہاں تک پہنچ جاتی کہ بھوک کی وجہ سے وہ نماز میں گرجاتے، عام لوگ ان کو پاگل سمجھتے، حضور ﷺ جب نماز سے فارغ ہوکر ان کی حالت دیکھ لیتے تو ان کو صبر کی تلقین فرماتے اور کہتے کہ: اس کے بدلے اللہ کے ہاں تمہارا جو قدروانعام ہے، اگر تمہیں اس کا علم ہوجائے تو تم چاہو کہ تمہارا فقروفاقہ اور بھی بڑھ جائے۔(۱۶)

اصحاب صُفہؓ میں بھوک کی مشقت اگر کسی نے بہت زیادہ جھیلی ہے تو وہ حضرت ابو ہریرہؓ ہی ہیں، فرماتے ہیں کہ: ''مجھ پر ایسا وقت بھی آیا کہ میں منبر رسول ﷺ اور حضرت عائشہؓ کے حجرے کے درمیان بے ہوش پڑا رہتا تھا، آنے والا مجھے پاگل سمجھ کر عرب کی عادت کے موافق میری گردن پر پاؤں رکھتا، حالانکہ یہ سب جنون کی وجہ سے نہیں، بلکہ بھوک کی وجہ سے ہوتا تھا'' (۱۷)

بعد میں جب صحابہ کرامؓ کی مالی حالت قدرے بہتر ہوئی تو صحابہ کرامؓ نے یہ ترتیب شروع کی کہ کھجور کے باغ والا ہر آدمی اپنی استطاعت کے موافق کھجور کے خوشے لاکر مسجد نبوی میں لٹکا دیتا، جس سے فقراء مہاجرین حسب ضرورت کھاتے تھے۔ (۱۸) اور ان کھجوروں کی تقسیم اور حفاظت کی ذمہ داری حضرت معاذ بن جبلؓ کو سونپی گئی تھی۔ (۱۹)

اصحاب صُفہؓ کے ساتھ حضور ﷺ کا رویہ:

اسلام کے ان مہمانوں کا حضور ﷺ بہت خیال رکھا کرتے تھے اور ان کی بہت رعایت کیا کرتے تھے، ان کے حالات معلوم کرتے تھے، ان میں جو مریض ہوجاتے تھے، ان کی عیادت فرماتے تھے۔ (۲۰) ان کے نفقے کا بندوبست کیا کرتے تھے۔ حضور ﷺ نے اپنی لاڈلی بیٹی حضرت فاطمہؓ کو خادم سے محروم رکھا اور انہیں فروخت کر کے اہل صُفہؓ کے خرچ کا بندوبست فرمایا۔ (۲۱) اور جب حضرت فاطمہؓ نے حضرت حسنؓ کا عقیقہ کرنا چاہا تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ عقیقہ نہ کرو، بلکہ بچے کے سر کے بال مونڈوادو اور اس کے وزن کے بقدر چاندی اصحاب صُفہؓ پر خرچ کرو۔ (۲۲)

اسی طرح حضور ﷺ نے حضرت ابوبکرؓ جیسے جلیل القدر صحابیؓ کو اصحاب صُفہؓ سے معافی مانگنے کا حکم دیا۔ صحیح مسلم کی روایت ہے کہ حضرت سلمانؓ، حضرت بلالؓ اور صہیب رومیؓ پر اسلام سے پہلے ابوسفیانؓ کا گزر ہوا، انہوں نے ابوسفیانؓ کے بارے میں کوئی جملہ کہا، حضرت ابوبکرؓ نے وہ جملہ سن کر ان کو ذرا سا ٹوکا، بس اتنا ہی کہا کہ تم ایسی بات ایک قریشی شیخ اور قریشی سردار کے بارے میں کہہ رہے ہو؟ پھر حضرت ابوبکرؓ حضور ﷺ کے پاس آئے اور قصہ عرض کیا، حضور ﷺ نے فرمایا: ابوبکر! شاید تم نے ان کو ناراض کردیا ہوگا، اگر تم نے ان کو ناراض کردیا تو تم نے اپنے رب کو ناراض کردیا، یہ سنتے ہی حضرت ابوبکرؓ نے آکر ان سے معافی مانگ لی۔ (۲۳)

اسی طرح حضور ﷺ اپنے ان اصحابؓ کے ساتھ دیر تک بیٹھے رہا کرتے تھے اور فرماتے: ''الحمد لله الذی جعل فی أمتی من أمرت أن أصبر معهم'' کہ تمام تعریفیں اس ذات کے لئے ہیں جس نے میری امت میں ایسے لوگوں کو پیدا فرمایا، جن کے ساتھ بیٹھنے کا مجھے حکم دیا گیا ہے۔ (۲۴) حضرت خباب بن الارتؓ فرماتے ہیں کہ پہلے حضور ﷺ کا معمول یہ تھا کہ ہمارے ساتھ بیٹھے رہتے اور جب جانے کا ارادہ فرماتے تو ہمیں چھوڑ کر چلے جاتے، لیکن بعد میں حضور ﷺ نے اس آیت: ''وَاصْبِرْ نَفْسَکَ مَعَ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِیِّ ''(۲۵) کے بموجب اپنا یہ معمول بدل دیا، پھر حضور ﷺ ہمارے ساتھ بیٹھے رہتے اور جب ان کے جانے کا وقت آتا تو ہم خود ہی اٹھ کر چلے جاتے اور اس کے بعد حضور ﷺ تشریف لے جاتے، ورنہ ہمارے اٹھنے تک صبر فرماتے۔ (۲۶)

اہل صُفہؓ کے معمولات اور معلم:

اہل صُفہؓ کے شب و روز مسجد نبوی میں اس طرح گزرتے تھے کہ طلب علم ان کا مشغلہ تھا اور علوم نبوت کا حصول ان کا مقصد تھا، وہ مسجد نبوی میں اعتکاف میں بیٹھ کر اللہ تعالیٰ کی عبادت کیا کرتے تھے۔ (۲۷) اُن کا کام قرآن کریم کی تعلیم، اس کا سمجھنا۔ (۲۸) اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا۔ (۲۹) نماز وتلاوت میں مشغول رہنا اور حضور ﷺ سے تربیت پانا تھا۔ ان میں سے بعض ایسے تھے جو لکھنا سیکھتے تھے، چنانچہ حضرت عبادہ بن صامتؓ فرماتے ہیں کہ میں اہل صُفہؓ میں سے چند صحابہؓ کو کتابت اور قرآن سکھایا کرتا تھا تو ان میں سے کسی ایک نے مجھے کمان ہدیہ میں دے دی، جسے پھر انہوں نے حضور ﷺ کے ارشاد پر واپس کر دیا۔ (۳۰) ان میں بعض حضرات ایسے تھے جو دن کو مسجد میں پانی بھرتے اور لکڑیاں کاٹ کر بیچتے تھے اور اس سے اصحاب صُفہؓ کے خرچے کا بندوبست کیا کرتے تھے اور رات کو وہ تدریسی مصروفیات اور معمولات میں مشغول رہا کرتے تھے، یہی وہ حضرات تھے جنہیں قراء کہا جاتا تھا، ان میں سے اکثر کو بئر معونہ میں شہید کر دیا گیا تھا۔ (۳۱)

صُفہ ایک ایسا مدرسہ تھا جس کے معلم اور مربی خود حضور ﷺ تھے، حضور ﷺ ان کے ساتھ بیٹھ کر انہیں قرآن سکھاتے تھے۔ حضرت ابوطلحہؓ فرماتے ہیں کہ: میں نے حضور ﷺ کو دیکھا کہ وہ اصحاب صُفہؓ کو سورۂ نساء پڑھا رہے تھے اور انہوں نے اپنے پیٹ مبارک پر بھوک کی شدت کی وجہ سے پتھر باندھ رکھا تھا'' (۳۲) حضور ﷺ ان کو احادیث سکھایا کرتے تھے اور ان کو نصائح کیا کرتے تھے۔ (۳۳) دنیوی عوارض اور دنیا کی محبت سے ان کا دل مسجد اور قرآن کی طرف پھیرتے تھے۔ (۳۴) اگر ان میں کوئی خلاف شرع کام دیکھ لیتے تھے تو ان کو تنبیہ فرمادیا کرتے تھے۔ حضرت جرہد بن خویلدؓ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ ہمارے پاس تشریف فرما تھے اور میری ران کھلی ہوئی تھی، حضور ﷺ نے مجھے فرمایا: کیا تمہیں علم نہیں کہ ران ستر میں داخل ہے؟ (۳۵) اسی طرح حضرت ابوذرؓ فرماتے ہیں کہ ہم چند اصحاب صُفہؓ کھانے سے رہ گئے تھے، حضور ﷺ نے ہمیں لے جا کر کھانا کھلایا، پھر ہم مسجد میں سو گئے، میں الٹا لیٹا ہوا تھا، اتنے میں حضور ﷺ نے آ کر میرا پاؤں ہلایا اور فرمایا: ''**یا جندب! ما ھذہ الضجعة ؟فانها ضجعة الشیطان** '' کہ ابوذر! یہ کس طرح لیٹے ہو؟ اس طرح تو شیطان لیٹتا ہے۔ (۳۶) حضور ﷺ کی اس تربیت کا نتیجہ یہ نکلا کہ یہ حضرات اسلام کے داعی بن کر نکلے اور دنیا میں پھیل گئے، ان میں بعض علم اور حفظ احادیث میں شہرت کو پہنچے، جیسے حضرت ابوہریرہؓ جو کثرت حدیث اور حضرت حذیفہؓ جو احادیث فتن میں مشہور تھے، اسی طرح حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فقاہت میں مشہور ہوئے، لیکن ان لوگوں کا علم و عبادت ان کے اجتماعی کاموں میں شرکت اور فریضۂ جہاد سے عہدہ برآ ہونے میں مانع نہیں تھا، بلکہ وہ تعلیم کے ساتھ ساتھ جہاد میں بھی شریک ہوتے تھے، چنانچہ اصحاب صُفہؓ میں سے بعض غزوہ بدر میں شہید ہوئے، جیسے: حضرت صفوان بن بیضاءؓ اور

حضرت خبیب بن یسافؓ وغیرہ، کچھ غزوہ احد میں، جیسے: حضرت حنظلہؓ، کچھ غزوہ خیبر میں، جیسے: حضرت ثقیف بن عمروؓ، کچھ تبوک میں، جیسے: حضرت عبداللہ ذوالبجادینؓ اور کچھ جنگ یمامہ میں شہید ہوئے تھے، جیسے: سالم مولی ابی حذیفہؓ اور زید بن الخطابؓ۔ گویا یہ حضرات رات کے عبادت گذار اور دن کو مردِ میدان ہوا کرتے تھے۔ (۳۷)

اہل صُفہ کی تعداد اور اسماء:

اہل صُفہؓ کی تعداد مختلف اوقات میں مختلف ہوا کرتی تھی، اس لئے کہ وہ سارے ایک ہی وقت میں مجتمع نہیں ہوتے تھے، بلکہ لوگ وقتاً فوقتاً آتے جاتے رہتے تھے، پھر ان میں سے کوئی مدینہ کے کسی مکان پر منتقل ہو جاتا، تو کوئی کہیں سفر پر جاتا اور کوئی جہاد میں شرکت کرنے چلا جاتا، اس لئے بعض دفعہ کم ہو کر ان کی تعداد دس تک پہنچ جاتی۔ (۳۸) اور بعض اوقات اتنی بڑھ جاتی کہ صرف حضرت سعد بن عبادہؓ ''۸۰'' اصحاب صُفہؓ کو کھانے کے لئے گھر لے جاتے۔ (۳۹) اور یہ تعداد ان کے علاوہ تھی جن کو دیگر صحابہؓ اور خود حضور ﷺ گھر لے جایا کرتے تھے، خصوصاً جب وفود مدینہ آتے تو ان کی تعداد اور بھی بڑھ جاتی تھی، البتہ جو لوگ مجموعی طور پر صُفہ میں رہے، ان کی تعداد چارسو اور اس سے بھی زیادہ بتائی گئی ہے۔ (۴۰) ان میں سے ہر ایک کا نام تو متعین نہیں کیا گیا ہے، البتہ بعض مصنفین نے تتبع اور تلاش سے کچھ نام ذکر کئے ہیں، جن کی تفصیل درج ذیل ہے۔

امام ابوسعید احمد بن محمدؒ (۳۴۰ھ) جو ابن الاعرابی سے مشہور ہیں، انہوں نے اصحاب صُفہؓ کے نام ذکر کئے ہیں، اسی طرح ابوعبدالرحمٰن محمد بن حسین سلمیؒ (۴۱۲ھ) نے بھی ان پر کتاب لکھی ہے اور ان دو کتابوں کو اصل بنا کر حافظ ابونعیم اصبہانیؒ (۴۳۰ھ) نے ''حلیۃ الاولیاء'' میں پوری تفصیل سے اصحاب صُفہؓ کے نام بتلائے ہیں، اسی طرح امام حاکم ابوعبداللہؒ (۴۰۵ھ) نے بھی ''الاکلیل'' میں ان کے نام ذکر کئے ہیں اور متاخرین میں سے حافظ شمس الدین محمد بن عبدالرحمٰن سخاویؒ (۹۰۲ھ) نے حافظ ابونعیمؒ کی کتاب کو اصل بنا کر ''**رحجان الکفة فی مناقب اهل الصُفة**'' کے نام سے مستقل کتاب لکھ دی ہے، ذیل میں جن اصحاب صُفہ کا ان کتابوں میں ذکر آیا ہے یا ان کے علاوہ حدیث کی دیگر کتابوں یا رجال کی کتابوں میں کسی صحابیؓ کے بارے میں تصریح آئی ہو، ان کا ذکر کیا جائے گا۔

سب سے پہلے ان حضرات کے اسماء گرامی ذکر کئے جاتے ہیں، جن کو حافظ ابونعیمؒ نے ابوسعید ابن الاعرابیؒ اور ابوعبدالرحمٰن سلمیؒ سے نقل کیا ہے اور ان پر رد نہیں کیا ہے، وہ حضرات یہ ہیں:

۱......حضرت اسماء بن حارثہ اسلمیؓ۔ ۲......حضرت اغر المزنیؓ۔ ۳......حضرت بلال بن رباحؓ۔ ۴......حضرت براء بن مالک انصاریؓ۔ ۵......حضرت ثوبان مولی رسول اللہ ﷺ۔ ۶......حضرت ثقیف بن عمروؓ۔ ۷......حضرت ابوذر غفاری جندب بن جنادہؓ۔ ۸......حضرت جرہد بن خویلدؓ۔ ۹......حضرت جعیل بن سراقہؓ۔ ۱۰......حضرت جاریہ بن جمیلؓ۔ ۱۱......حضرت حذیفہ بن الیمانؓ۔

۱۲.....حضرت ابو سریحہ حذیفہ بن اسید غفاریؓ۔۱۳.....حضرت حارثہ بن نعمان انصاریؓ۔ ۱۴.....حضرت حازم بن حرملۃ الاسلمیؓ۔۱۵.....حضرت حنظلہ بن ابی عامر انصاریؓ غسیل الملائکہ۔۱۶.....حضرت حکم بن عمیر ثمالیؓ۔۱۷.....حضرت حرملۃ بن ایاسؓ۔۱۸.....حضرت خباب بن ارتؓ۔۱۹.....حضرت خنیس بن حذافۃ السہمیؓ۔۲۰.....حضرت خریم بن فاتک الاسدیؓ۔۲۱..... حضرت خریم بن اوس الطائیؓ۔۲۲.....حضرت ابوعبدالرحمٰن خبیب بن یسافؓ۔۲۳.....حضرت عبداللہ ذوالبجادینؓ۔۲۴.....حضرت ابولبابۃ رفاعۃ الانصاریؓ۔۲۵.....حضرت ابورزینؓ۔۲۶.....حضرت زید بن الخطابؓ۔۲۷.....حضرت سلمان فارسیؓ۔۲۸.....حضرت سعد بن ابی وقاصؓ۔۲۹.....حضرت سعید بن عامر بن جذیم الجمحیؓ۔۳۰.....حضرت سفینہ ابوعبدالرحمٰن مولیٰ رسول اللہ ﷺ۔۳۱.....حضرت ابوسعید خدری سعد بن مالکؓ۔۳۲.....حضرت سالم مولیٰ ابی حذیفہؓ۔۳۳.....حضرت سالم بن عبید اشجعیؓ۔۳۴.....حضرت سالم بن عمیرؓ۔۳۵.....حضرت سائب بن خلادؓ۔۳۶.....حضرت شقران مولیٰ رسول اللہ ﷺ۔۳۷.....حضرت شداد بن اسیدؓ۔۳۸.....حضرت صہیب بن سنانؓ۔۳۹.....حضرت صفوان بن بیضاءؓ۔۴۰.....حضرت طخفۃ بن قیسؓ۔۴۱.....حضرت طلحہ بن عمرو البصریؓ۔۴۲.....حضرت طفاوی دوسیؓ۔۴۳.....حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ۔۴۴.....حضرت ابوہریرۃ عبد الرحمٰنؓ۔ ۴۵.....حضرت عبد اللہ بن عبد الاسد المخزومیؓ۔۴۶.....حضرت عبد اللہ بن حوالہ ازدیؓ۔ ۴۷.....حضرت عبد اللہ بن ام مکتومؓ۔ ۴۸.....حضرت عبد اللہ بن عمرو بن حرام انصاریؓ۔ ۴۹.....حضرت عبداللہ بن انیسؓ۔۵۰.....حضرت عبداللہ بن زید الجہنیؓ۔۵۱.....حضرت عبداللہ بن حارث بن جزء زبیدیؓ۔۵۲.....حضرت عبداللہ بن عمر بن الخطابؓ۔۵۳.....حضرت عبدالرحمٰن بن قرطؓ۔۵۴.....حضرت عبدالرحمٰن بن جبر بن عمرو انصاریؓ۔۵۵.....حضرت عتبۃ بن غزوانؓ۔۵۶..... حضرت عمار بن یاسرؓ۔۵۷.....حضرت عثمان بن مظعونؓ۔ ۵۸.....حضرت عقبہ بن عامر الجہنیؓ۔ ۵۹.....حضرت عباد بن خالد غفاریؓ۔۶۰.....عمرو بن عوف المزنیؓ۔۶۱.....حضرت ابوعبیدہ بن الجراح عامر بن عبیداللہؓ۔۶۲.....حضرت عمرو بن تغلبؓ۔۶۳.....حضرت عویم بن ساعدۃ الانصاریؓ۔ ۶۴.....حضرت ابوالدرداء عویمرؓ۔۶۵.....حضرت عبید مولیٰ رسول اللہ ﷺ۔۶۶.....حضرت عکاشہ بن محصن الاسدیؓ۔۶۷.....حضرت عرباض بن ساریہؓ۔ ۶۸.....حضرت عبد اللہ بن حبشی الخثعمیؓ۔ ۶۹.....حضرت عتبہ بن عبد السلمیؓ۔۷۰.....حضرت عتبہ بن ندر السلمیؓ۔۷۱.....حضرت عمرو بن عبسہ السلمیؓ۔۷۲.....حضرت عبادۃ بن قرصؓ۔۷۳.....حضرت عیاض بن حمار المجاشعیؓ۔۷۴.....حضرت فضالۃ بن عبید الانصاریؓ۔۷۵.....حضرت فرات بن حیان العجلیؓ۔۷۶.....حضرت ابوفراس اسلمیؓ۔ ۷۷.....حضرت ابومعاویہ قرۃ بن ایاس المزنیؓ۔۷۸.....حضرت ابومرثد کناز بن حصین الغنویؓ۔ ۷۹.....حضرت ابوالیسر کعب بن عمرو انصاریؓ۔۸۰.....حضرت ابوکبشہ مولیٰ رسول اللہ ﷺ۔۸۱..... حضرت مصعب بن عمیرؓ۔۸۲.....حضرت مقداد بن اسودؓ۔۸۳.....مسطح بن اثاثہؓ۔۸۴.....حضرت

مسعود بن ربیع القاریؓ۔ ۸۵..... حضرت ابوحلیمہ معاذ بن الحارث القاریؓ۔ ۸۶..... حضرت واثلہ بن الاسقعؓ۔ ۸۷..... حضرت وابصۃ بن معبد الجہنیؓ ۔ ۸۸..... حضرت بلال مولی المغیرۃ بن شعبہؓ۔ ۸۹..... حضرت یسار ابوفکیہہ، جو کہ حضرت صفوان بن امیہؓ کا آزاد کردہ غلام تھا۔

یہ صحابہ کرامؓ ایسے تھے جو ابونعیمؒ نے ابن الاعرابیؒ اور ابوعبدالرحمٰن سلمیؒ سے نقل کئے ہیں اور ان پر رد نہیں کیا ہے، ان کے بعد حافظ ابونعیمؒ نے اپنی طرف سے چند اضافی نام ذکر کئے ہیں، جو یہ ہیں:

۹۰..... حضرت بشیر بن الخصاصیۃؓ۔ ۹۱..... حضرت ابو مویہبہ مولی رسول اللہ ﷺ۔ ۹۲..... حضرت ابو عسیب مولی رسول اللہ ﷺ۔ ۹۳..... حضرت ابو ریحانہ شمعون الازدیؓ۔ ۹۴..... حضرت ابوثعلبہ الخشنیؓ۔ ۹۵..... حضرت ربیعہ بن کعب اسلمیؓ۔ ۹۶..... حضرت ابو برزہ اسلمیؓ۔ ۹۷..... حضرت معاویہ بن حکم سلمیؓ۔ (۴۱) انہی حضرات کو علامہ سخاویؒ نے بھی ذکر کیا ہے، ان کے علاوہ مذکورہ ناموں کی معتمد کتابوں میں تصریح آئی ہے۔ ۹۸..... حضرت ہند بن حارثہؓ۔ (۴۲) ۹۹..... حضرت غرفۃ الازدیؓ۔ (۴۳) ۱۰۰..... حضرت وہب بن حذیفہ غفاریؓ۔ (۴۴) ۱۰۱..... حضرت کعب بن مالک انصاریؓ (۴۵)۔ ۱۰۲..... حضرت عتبہ بن مسعود ہذلیؓ۔ (۴۶) ۱۰۳..... حضرت ابوموسی اشعری عبداللہ بن قیسؓ۔ (۴۷) ۱۰۴..... حضرت حارث بن نبیہؓ (۴۸) ۱۰۵..... حضرت نواس بن سمعانؓ۔ (۴۹) ۱۰۶..... حضرت اصم العامریؓ جن کا نام حضور ﷺ نے عبدالرحمٰن رکھا تھا۔ (۵۰) مذکورہ حضرات کے علاوہ سیرت اور تاریخ کی کتابوں میں مذکور ہے کہ بئر معونہ کے واقعے میں ''۷۰'' صحابہ کرامؓ شہید ہوئے تھے، جنہیں قراء کہا جاتا تھا، ان سب کا تعلق بھی اصحاب صفہؓ سے تھا۔ (۵۱) ان ''۷۰'' میں سب کے نام تو معلوم نہیں ہوسکے، البتہ علامہ ابن سید الناس (۷۳۴ھ) نے ''عیون الاثر فی فنون المغازی والشمائل والسیر'' میں ان میں بعض شہداء کا ذکر کیا ہے، جو یہ ہیں: ۱۰۷..... حضرت عامر بن فہیرہؓ۔ ۱۰۸..... حضرت حکم بن کیسانؓ۔ ۱۰۹..... حضرت منذر بن محمد بن عقبہؓ۔ ۱۱۰..... حضرت ابوعبیدہ بن عمرو بن محصنؓ۔ ۱۱۱..... حضرت حارث بن صمہؓ۔ ۱۱۲..... حضرت ابی بن معاذ ابن انسؓ۔ ۱۱۳..... حضرت انس بن معاذ بن انسؓ۔ ۱۱۴..... حضرت ابو الشیخ بن ابی بن ثابت بن منذرؓ۔ ۱۱۵..... حضرت حرام بن ملحانؓ۔ ۱۱۶..... حضرت سلیم بن ملحانؓ۔ ۱۱۷..... حضرت مالک بن ثابتؓ۔ ۱۱۸..... حضرت سفیان بن ثابتؓ۔ ۱۱۹..... حضرت عروہ بن اسماء بن الصلتؓ۔ ۱۲۰..... حضرت قطبہ بن عبدعمرو بن مسعودؓ۔ ۱۲۱..... حضرت منذر بن عمرو بن خنیسؓ۔ ۱۲۲..... حضرت معاذ بن ماعص بن قیسؓ۔ ۱۲۳..... حضرت عائذ بن ماعص بن قیسؓ۔ ۱۲۴..... حضرت مسعود بن سعد بن قیسؓ۔ ۱۲۵..... حضرت خالد بن ثابت بن نعمانؓ۔ ۱۲۶..... حضرت سفیان بن حاطب بن امیہؓ۔ ۱۲۷..... حضرت سعد بن عمرو بن ثقفؓ۔ ۱۲۸..... حضرت عبداللہ بن قیس بن صرمہؓ۔ ۱۲۹..... حضرت طفیل بن سعد بن عمرو بن ثقفؓ۔ ۱۳۰..... حضرت سہل بن عامر بن سعد بن عمرو بن ثقفؓ۔ ۱۳۱..... حضرت نافع بن بدیل الخزاعیؓ۔ ۱۳۲..... حضرت ضحاک بن عبدعمرو بن مسعودؓ۔

۱۳۳......حضرت عمرو بن معبد بن الازعرؓ۔ ۱۳۴......حضرت خالد بن کعب بن عمرو بن عوفؓ۔ ان تمام کے علاوہ دو صحابہؓ ایسے تھے جو بئر معونہ میں شریک تھے لیکن شہید نہیں ہوئے تھے، ۱۳۵......حضرت عمرو بن امیہ الضمریؓ۔ ۱۳۶......حضرت کعب بن زید بن قیسؓ۔ (۵۲)

تاریخ اصحاب صُفہؓ، طلبۂ علم کے لئے درس عبرت:

اصحاب صُفہؓ کی یہ تاریخ اپنے اندر امت کے ہر طبقہ کے لئے درس عبرت سمیٹے ہوئے ہے، خصوصاً علم دین کے ان طلبہ کے لئے جن کا رشتہ دین الٰہی کے تعلیم وتعلم میں اصحاب صُفہؓ سے جڑا ہوا ہے۔ یہ واقعات طالب علم کو سبق دیتے ہیں کہ اگر حضور ﷺ کا وارث بننا ہے اور علوم نبوت کا حامل بننا ہے تو اصحاب صُفہؓ کی طرح کھجور اور ایک چادر پر بھی گزارہ کرنا پڑے تو کریں گے، حضرت ابو ہریرہؓ کی طرح بھوک سے نبرد آزما ہونا پڑے تو بھوک برداشت کریں گے، سردی اور پیاس برداشت کرنی ہوگی، اگر کسی موقع پر ضرورت پڑی تو حضرت خبیب بن عدیؓ کی طرح جان کی قربانی دینی ہوگی، اصحاب صُفہؓ کی اس صفت "لَایَسْـأَلُوْنَ النَّاسَ إِلْحَافاً" (۵۳) کے بموجب لوگوں سے مستغنی ہونا پڑے گا۔ بئر معونہ میں قراء صُفہ کے شہداء کا واقعہ طلبۂ علم کو بتلا رہا ہے کہ غربت اور فقر ان کے حصول علم میں مانع نہیں ہونے چاہئیں، بلکہ خود کما کر علم حاصل کرنا چاہئے۔ (۵۴) عرینہ کے مقتولین کا واقعہ بتلا رہا ہے کہ یہ میدان بڑا نازک ہے، جس میں ذرا سی غفلت محرومی کا باعث بن سکتی ہے۔ اصحاب عرینہ اسلام لاکر اصحاب صُفہؓ میں داخل تو ہوئے (۵۵) لیکن ان کی نیت خالص نہیں تھی، اس لئے ان کو راندۂ درگاہ ہونا پڑا، دنیا اور آخرت میں ذلت ان کا مقدر ٹھہری۔ ان تمام قربانیوں سے گزر کر ہی ان فضائل کا مستحق بنا جاسکتا ہے جو اصحاب صُفہؓ کے لئے وارد ہوئے، بقول شاعر:

مٹادے اپنی ہستی کو اگر کچھ مرتبہ چاہے
کہ دانہ خاک میں مل کر گل وگلزار ہوتا ہے

مراجع ومصادر:

۱......مجموع الفتاویٰ لابن تیمیہ ۱۱/۳۸
۲......السیرۃ النبویۃ الصحیحۃ للدکتور اکرم ضیاء العمری ۲/۲۵۸
۳......المستدرک علی الصحیحین ۳/۱۵۵ رقم الحدیث: ۴۳۴۷
۴......السیرۃ النبویۃ الصحیحۃ ۱/۱۵۹
۵......سنن ابی داؤد، ۱/۲۰۰
۶......صحیح البخاری ۱/۶۳
۷......حلیۃ الاولیاء: ۱/۳۴۱
۸......شعب الایمان ۱۰/۲۸۳، رقم الحدیث: ۱۰۳۲۱
۹......المستدرک ۳/۱۵
۱۰......حوالہ گذشتہ
۱۱......صحیح البخاری ۲/۹۵۵
۱۲......مسند احمد ۱/۵۳۰، رقم الحدیث: ۸۳۸

۱۳......مصنف ابن ابی شیبہ ۱۶/۳/۴۵۳ رقم الحدیث: ۳۲۳۶۹
۱۴......حوالہ بالا ۱۳/۵۵۵ رقم الحدیث: ۲۷۱۵۴
۱۵......صحیح مسلم: ۲/۱۳۹ — ۱۶......سنن الترمذی ۲/۶۲
۱۷......صحیح البخاری: ۲/۱۰۸۹ — ۱۸......سنن الترمذی: ۲/۱۲۸
۱۹......رحجان الکفة فی بیان نبذة من اخبار اهل الصفة للسخاوی ص: ۱۳۹
۲۰......حلیۃ الاولیاء ۱/۳۷۵ — ۲۱......مسند احمد ۱/۵۳۰
۲۲......سنن الترمذی: ۱/۲۷۸ — ۲۳......صحیح مسلم: ۲/۳۰۴
۲۴......المعجم الاوسط للطبرانی: ۹/۴۰۰ رقم الحدیث: ۸۸۶۱
۲۵......الکہف: ۲۸
۲۶......مشکل الآثار للطحاوی ۱/۱۰۱ رقم الحدیث: ۳۴۸
۲۷......السیرۃ النبویۃ الصحیحۃ: ۱/۲۶۳
۲۸......سنن ابی داؤد ۲/۱۶۰، رقم الحدیث: ۳۶۶۶
۲۹......المستدرک للحاکم: ۱/۳۲۶ رقم الحدیث: ۴۲۷
۳۰......سنن ابی داؤد ۲/۱۲۹ رقم الحدیث: ۳۴۱۵
۳۱......صحیح مسلم: ۲/۱۳۹ — ۳۲......المعجم الاوسط: ۴/۹۲ رقم الحدیث: ۳۶۲۹
۳۳......سنن الترمذی: ۲/۵۶ — ۳۴......صحیح مسلم: ۱/۲۷
۳۵......ابوداؤد ۲/۲۰۱ رقم الحدیث: ۴۰۱۴ — ۳۶......حلیۃ الاولیاء: ۱/۳۵۳
۳۷......السیرۃ النبویۃ الصحیحۃ ۱/۲۶۴ — ۳۸......رحجان الکفہ، ص: ۱۴۳
۳۹......مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۳/۵۵۵ رقم الحدیث: ۲۷۱۵۴
۴۰......مجموع الفتاوی: ۱۱/۴۱ — ۴۱......حلیۃ الاولیاء: ۱/۳۴۷......۲/۳۳
۴۲......الاستیعاب ۱/۶۶ ترجمہ: ۱۰۵ — ۴۳......الاصابہ ۳/۱۸۵ ترجمہ: ۶۹۰۸
۴۴......الاصابۃ ۳/۶۴۱ ترجمہ نمبر ۹۱۵۶
۴۵......الجرح والتعدیل ترجمہ نمبر ۹۰۲، ۳/۱۶۰ قسم نمبر ۲
۴۶......المستدرک ۳/۵۵۵
۴۷......رحجان الکفۃ، الاستدراک علی السخاوی ص: ۳۲۲
۴۸......اسد الغابہ ۱/۳۴۹ — ۴۹......دلیل الفالحین ۳/۳۱، باب الورع
۵۰......سیر اعلام النبلاء ۴/۵۱۸، ترجمہ ۲۱۲، وطبقات بن سعد ۱/۳۰۵
۵۱......فتح الباری ۱/۵۳۶، رحجان الکفۃ ص: ۱۴۰
۵۲......عیون الاثر فی فنون المغازی والسیر ۲۱/۶۹-۷۱
۵۳......البقرہ: ۲۷۴ — ۵۴......صحیح مسلم: ۲/۱۳۹ — ۵۵......بخاری ۲/۱۰۰۵

کوئی ہے جو نتائج کی فکر کرے؟

پروفیسر محمد حمزہ نعیم صاحب

''کتب خانوں کو آگ لگانے کی ضرورت نہیں، صرف رسم الخط (script) بدل دو۔'' یہ الفاظ اپنے وقت کے سب سے بڑے فلسفی مؤرخ آرنلڈ ٹوائن بی کے ہیں۔ وہ کہتا ہے کہ: ''فقط رسم الخط کے بدل جانے سے قوم کا رشتہ اپنے ماضی سے کٹ جائے گا، اس کی پوری تہذیب اس کے لئے بے معنی ہو کر رہ جائے گی، پھر اسے جس طرف چاہو لیجاؤ''۔ مرحوم اکبرالہٰ آبادی نے بھی فرمایا تھا:

شیخ مرحوم کا قول اب بھی یاد آتا ہے مجھے
دل بدل جاتے ہیں تعلیم بدل جانے سے

ایک تاریخی حقیقت، مسلمانوں کی عالمگیر فتوحات اور بے نظیر سیاسی سطوت کا درخشاں دور ۶۶۲ء سے ۷۵۰ء کا دور ہے، جب مسلمان جزیرۂ عرب سے نکلے اور ربع مسکون پر چھا گئے، وہ جہاں گئے اپنی شاندار اسلامی تہذیب کے علاوہ عربی زبان بھی ساتھ لے گئے، رعایا کو عدل ملا، امن ملا اور انہیں اپنی زبان وتہذیب چھوڑ کر عربی زبان اور اسلامی تہذیب اپنانے میں کوئی دقت نہ ہوئی۔ ایشیا سے عراق، شام، فلسطین سے مصر اور مصر سے افریقہ کے آخری کناروں تک کے ممالک آج عرب کہلاتے ہیں۔

ایران اور قدیم ہند کے مشرقی کناروں تک اور داغستان اور وسطی ایشیا کی ترکستانی ریاستوں تک کو اسلام نے فتح کیا، ان علاقوں میں اگرچہ عربی زبان صرف ادبی و دینی زبان رہی، علاقائی زبانیں اور سرکاری زبان فارسی قرار پائی، مگر دینی علوم کا بیش قیمت ذخیرہ انہی علاقوں میں مدون ہوا، کون نہیں جانتا کہ صحاح ستہ کے تمام مؤلفین انہی علاقوں کے ہیں۔ ان علاقوں میں شعائر اسلام کا نفاذ ہوا، کسی فرد یا خاندان کو زبردستی اسلام میں داخل نہ کیا گیا، اسلام نے ہر جگہ امن اور

خوشحالی کو بحال کیا۔

عیسائی اقوام نے صاف کہا کہ ہمیں اپنے ہم قوم (عیسائی) حکمرانوں سے اہلِ اسلام نے زیادہ امن اور فلاح دی ہے۔ اسلامی ہند، جنوبی ایشیا کے بہت بڑے علاقے پر مشتمل تھا، جسے برصغیر بھی کہا گیا۔ یہاں سرکاری دفتری زبان فارسی ہی تھی اور دینی ذخیرہ عربی اور فارسی میں۔

آستین کے سانپوں نے جب سلطان ٹیپو اور نواب سراج الدولہ کو میسور اور بنگال میں شکست دلوادی تو انگریز نام نہاد تاجر ایسٹ انڈیا کمپنی نے مسلم ہند پر قبضہ کیا۔ انگریز ایک دوررس نظر رکھنے والی سازشی قوم ہے، اس نے عربی اور فارسی زبانوں کی بجائے اپنی انگریزی کو سرکاری طور پر نافذ کیا۔ کالج اور دیگر تعلیمی ادارے قائم کئے۔ لارڈ میکالے نے نظام تعلیم اور نصاب تعلیم ترتیب دیا، پھر کہا کہ:

''میں نے ایسا نصاب ترتیب دیا ہے کہ اس کو پڑھ کر ہندوستان کے باسی رنگ ونسل میں ہندوستانی اور ذہن اور سوچ میں بے دین یورپی انگریز ہوں گے''۔

ایک وقت آیا کہ مسلم لیڈروں نے انگریزوں کے خلاف آزادی کی تحریک چلائی، علمائے کرام کا ایک بڑا طبقہ آزادی ہند کا سرخیل تحریک بنا۔ بانی پاکستان کے ساتھ بھی چوٹی کے علماء مثلاً علامہ شبیر احمد عثمانیؒ، علامہ ظفر احمد عثمانیؒ جیسے اعلیٰ درجہ کے سکالر تھے، ہندوستان آزاد ہوا، پاکستان وجود میں آیا۔ عوام کی خواہش اور علماء کی کوششوں سے یہاں سرکاری تعلیمی اداروں میں عربی اور علوم اسلامیہ (قرآن وحدیث وفقہ) جیسے مضامین متعارف کرائے گئے۔

اس طرح جدید تعلیم یافتہ لوگ قرآن وحدیث کی روح پرور وسعتوں میں بھی گامزن ہوئے، مگر برا ہو کالے انگریزوں کا جنہوں نے (اسمبلیوں میں اردو ذریعۂ تعلیم وسرکاری زبان اردو کے فیصلوں کے باوجود) اردو زبان کو نافذ نہ ہونے دیا۔ اہل اقتدار پر سازشی تھنک ٹینکس کا دباؤ جاری رہا، یہاں تک کہ آج یعنی اسی سال پنجاب کے سرکاری اسکولوں میں عربی کو دیس نکالا دے دیا گیا۔ ذریعہ تعلیم اردو، پنجابی کی بجائے انگریزی قرار دے دیا گیا۔ آئندہ تمام اسکول انگلش میڈیم کردیئے جائیں گے۔ مسلم بچے اپنی تہذیب سے کٹ جائیں گے، وہ ذہنی طور پر قرآن وحدیث یا ان کے اردو تراجم سے مکمل طور پر بے بہرہ کالے انگریز بن جائیں گے اور کہا جائے گا کہ ''مسلمان'' نہیں، یہاں اعتدال پسند روشن خیال لوگوں کا بسیرا ہے۔ کوئی ہے جو نتائج کی فکر کرلے؟

☆☆....☆☆

حقوقِ نسواں
قدیم و جدید تہذیبوں اور اسلام کی نظر میں
ایک تقابلی مطالعہ

ڈاکٹر بشیر احمد رند

معاشرتی اداروں میں سب سے اہم ادارہ خاندان ہے، یہی معاشرہ کو افراد مہیا کرتا ہے، اس ادارہ کا ماحول جتنا اچھا ہوگا، معاشرہ کو اتنے ہی اچھے افراد میسر ہوں گے۔ اگر اس ادارہ کا ماحول اطمینان بخش نہ ہو تو پھر اس ادارہ سے اچھے افراد کا ملنا مشکل ہوتا ہے۔ اور خاندانی ادارہ میں اہم کردار عورت کا ہوتا ہے، چاہے وہ بیوی کی صورت میں ہو، یا ماں کی صورت میں، بیٹی کی صورت میں ہو، یا بہن کی صورت میں، ہر صورت میں اس کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ اگر خاندان میں عورت کی عزت ہوگی، وقار ہوگا اور اس کے حقوق کا تحفظ کیا جائے گا تو خاندان میں سکون واطمینان ہوگا اور سماج کو بہتر افراد بھی میسر ہوں گے۔ دوسری صورت میں جہاں خاندانی نظام بے چینی اور عدم اطمینان کا شکار ہوگا، وہاں معاشرہ کو بھی اچھے افراد میسر نہیں ہوں گے۔

انسانی تاریخ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ عورت کی اُس وقت تک عزت رہی اور وقار رہا، جب تک انبیاءؑ علیہم السلام کی تعلیمات پر عمل کیا جاتا رہا، لیکن جب سے انبیاءؑ علیہم السلام کی تعلیمات کو بھلایا گیا، یا پس پشت ڈالا گیا، یا اُس میں اپنی طرف سے ملاوٹ کی گئی، اس وقت سے عورت کے حقوق غصب کئے گئے اور اُسے بے وقار کیا گیا۔ نتیجہ میں سماج کو بہتر افراد میسر نہ ہو سکے اور سماجی سسٹم تخریب اور انتشار کا شکار رہا۔

اس بحث میں حقوقِ نسواں پر تقابلی مطالعہ پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے، جس سے اندازہ ہو جائے گا کہ کس مذہب یا تہذیب نے عورت کو کیا حقوق دیئے؟ اور اسلام نے عورت کو کیا حقوق دیئے ہیں؟۔

تقابلی مطالعہ:

اسلام نے عورت کو جوحقوق دیئے ہیں اور جو مقام عطا کیا ہے، اس کو بیان کرنے سے پہلے مناسب ہوگا کہ اسلام سے پہلے مختلف تہذیبوں میں عورت کو جو حیثیت حاصل رہی ہے، اُسے معلوم کیا جائے اور موجودہ دور میں مغربی تہذیب نے عورت کو جوحقوق دیئے ہیں، اُن پر بھی نظر کی جائے، اس کے بعد اسلام نے عورت کو جوحقوق دیئے ہیں، ان پر روشنی ڈالی جائے:

یونان:

قدیم قوموں میں جس قوم کی تہذیب شاندار نظر آتی ہے، وہ یونانی قوم ہے، لیکن ان کے ہاں ''عورت'' کو یہ اختیار نہیں تھا کہ وہ خود کوئی عقد (خرید وفروخت) کرسکے یا کسی کو خاص مقدار سے زیادہ قرض دے سکے یا اپنا کوئی معاملہ حاکم کے پاس لے جائے۔ انہوں نے ایک قانون بنایا ہوا تھا کہ جو عمل کسی عورت کے زیراثر انجام پایا ہو، وہ عمل قانوناً باطل تصور کیا جاتا تھا۔ اسی طرح عورت مرد سے میراث بھی نہیں پاسکتی تھی۔ اگر عورت سے اولاد نہ ہوتی تو مرد کا اُسے طلاق دینے کا بھرپور اختیار حاصل تھا، چاہے مرد کو خود ہی بچے پیدا کرنے کی صلاحیت نہ ہو۔ بس عورت شوہر کے رحم وکرم پر تھی، شوہر کے لئے اسے طلاق دینا بڑا ہی آسان تھا، اس کے لئے یہ بھی آسان تھا کہ اپنے گھر سے عورت کو جب چاہے بلا وجہ نکال دے۔ ان کے نزدیک عورت کا بانجھ ہونا ہی اس کی طلاق کے لئے کافی سبب تھا، ان کے ہاں شادی کا مقصد بیٹوں کی پیدائش تھا۔ اگر شوہر خود بچے پیدا کرنے کی صلاحیت نہ رکھتا تو وہاں کا قانون اوررائے عامہ اس بات کی اجازت دیتی تھی کہ شوہر اپنے کسی رشتہ دار سے اس بارے میں مدد لے، اور اس کے ذریعہ بیوی سے جو اولاد پیدا ہوتی اُسے اُسی شخص کی اولاد کہا جاتا، جس کی بیوی سے پیدا ہوتی۔ لڑکیوں کے اولیاء کو یہ حق حاصل تھا کہ وہ لڑکی کی اجازت کے بغیر اس کا نکاح کرادیں، اسی طرح ہروہ معاملہ جو ولی کی رضامندی کے بغیر ہوا ہو، وہ لغوشمار ہوتا تھا۔

یونانی تہذیب میں عورت مرد کے حقوق سے الگ تھی اور اس کی حیثیت اس سامان کی سی تھی جو خریدا اور بیچا جاتا ہے اور مرد کو عورت پر مکمل اختیار تھا، وہ جیسا چاہے اسے استعمال کرے اور جیسا چاہے اس سے سلوک کرے۔ (۱) بلکہ اس سے بھی بڑھ کر اُسے برائیوں کی جڑ کہا جاتا تھا، جس کا اندازہ پانڈورا باکس (Pandora Box) نامی اس دیومالائی قصہ سے لگایا جاسکتا ہے، جو یونان میں مشہور تھا، جس کے مطابق: ''دنیاوی مصائب اور مشکلات کا اصل سبب یہ ہے کہ پانڈورا نامی ایک عورت اس دنیا میں آئی اور اپنے ساتھ برائیوں کی ایک پیٹی لائی، جس کے کھولنے کے

بعد اس دنیا میں برائیاں پھیل گئیں''۔جس کا صاف مطلب ہے کہ عورت برائیوں کی جڑ ہے۔(۲)

یونانی اپنے اعلیٰ تمدن والے دور میں بھی سوائے طوائف کے اور کسی عورت کی قدر نہیں کرتے تھے۔(۳) یونانی مفکر ارسطو کا کہنا تھا کہ:''عورت مرد کی بگڑی ہوئی صورت ہے، اور بچے پیدا کرنے میں بھی اس کا کوئی کردار نہیں، وہ تو صرف مواد پیدا کرتی ہے، جبکہ بچے کو شبیہ باپ ہی دیتا ہے، اس لئے بچے کو ماں کے بجائے باپ سے محبت کرنی چاہئے''۔ارسطو اس بات کے بھی مخالف تھے کہ عورت کو مذہبی سلسلوں میں شامل کیا جائے۔(۴) اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ یونانیوں کے ہاں عورت کی کیا عزت تھی؟۔

روم:

یونانیوں کے بعد جس قوم کو عروج نصیب ہوا، وہ رومی قوم تھی۔رومی سماج میں خاندان کا سربراہ باپ ہوتا تھا یا شوہر، اسے اپنی بیوی بچوں پر پورا اختیار حاصل تھا اور وہ عورت کو جب چاہے گھر سے نکال سکتا تھا۔جہیز یا دلہن کے والد کو نذرانہ دینے کی رسم کچھ بھی نہ تھی اور باپ کو اس قدر اختیار حاصل تھا کہ جہاں چاہے اپنی لڑکی بیاہ دے، بلکہ بعض دفعہ تو وہ کرائی گئی شادی کو توڑ سکتا تھا۔زمانۂ مابعد یعنی دورِ تاریخی میں یہ حق باپ کی طرف سے شوہر کی طرف منتقل ہوگیا اور اب اس کے اختیارات یہاں تک وسیع ہوگئے کہ وہ چاہے تو بیوی کو قتل کر سکتا تھا۔۵۲۰ سال تک طلاق کا کسی نے نام بھی نہ سنا۔غلاموں کی طرح عورت کا مقصد بھی خدمت اور چاکری سمجھا جاتا تھا۔مرد اسی غرض سے شادی کرتا تھا کہ وہ بیوی سے فائدہ اٹھا سکے گا۔وہ کسی عہدہ کی اہل نہیں سمجھی جاتی تھی، حتیٰ کہ کسی معاملہ میں اس کی گواہی تک کا اعتبار نہیں تھا۔رومی سلطنت میں اس کو قانونی طور پر کوئی حق حاصل نہیں تھا، البتہ اس کی طبعی کمزوریوں کی بنا پر اُسے بعض سہولتیں دی گئی تھیں۔اس میں شک نہیں کہ بعد کے ادوار میں رومیوں نے اس کو حقوق دیئے، لیکن اس کے باوجود یہ ایک حقیقت ہے کہ اس کو مرد کے مساوی درجہ کبھی نہیں ملا۔(۵)

علامہ فرید وجدی رومی عورت کی حالت زار پر لکھتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:''رومی مردوں نے اپنے عورتوں پر گوشت کھانا، ہنسنا اور بات چیت کرنا بھی حرام قرار دے دیا تھا، یہاں تک کہ ان کے منہ پر''موزسیر'' نامی ایک مضبوط تالا لگا دیا تھا، تاکہ وہ کچھ بھی بول نہ سکیں اور یہ حالت صرف عام عورتوں کی نہیں تھی، بلکہ رئیس اور امیر، کمینے اور شریف، عالم اور جاہل سب کی عورتوں پر یہ آفت پڑی ہوئی تھی۔ پھر عورت کا قید و بند اور بھی بڑھا، یہاں تک کہ سترھویں صدی عیسوی میں خاص روما میں اعلیٰ درجے کے قابل اور فاضل لوگوں کا ایک جلسہ ہوا، جس میں یہ سوال سامنے لایا گیا کہ:''کیا عورت میں جان بھی ہے کہ نہیں؟''۔

فارس:

فارس میں عورت کو جو مرتبہ تھا، سید امیر علی اس کا نقشہ کچھ اس طرح کھینچتے ہیں: ''فارس کے سماج میں عورت کے پیدا ہونے کو پسند نہیں کیا جاتا تھا، وہ مرد کے زیر اثر اس کے ظلم کے پنجے میں رہتی تھی، مرد کو یہ اختیار حاصل تھا کہ اس کی موت کا فیصلہ کردے یا زندگی کی نعمتیں رہنے دے، یہ اس کی مرضی پر منحصر تھا۔ مرد عورت کو گھریلو اشیائ کی طرح استعمال کرتا تھا۔ مخصوص ایام میں عورت کو نجس سمجھا جاتا تھا، اسے الگ رکھا جاتا تھا، اسے چھونا بھی نجاست میں ہاتھ ڈالنے کے برابر سمجھا جاتا تھا۔'' (۷)

ایران میں مزدکیت نے تو عورت کو مشترک ملکیت (Joint Property) قرار دیا تھا اور اخلاقی حدود و قیود کا خاتمہ کردیا تھا، حتیٰ کہ ماں، بیوی اور بیٹی کی تمیز بھی اُٹھ گئی تھی۔ مزدکیت نے ایرانی نفسیات پر گہرا اثر چھوڑا، اگرچہ اسلام کے اخلاقی ضابطوں اور روحانی تعلیمات اور شرعی قوانین نے تہذیبی تبدیلی کا کام کیا، لیکن قوموں کے تاریخی وتہذیبی تجربوں کے نفسیاتی اثرات کو آسانی سے نہیں مٹایا جاسکتا۔ (۸)

مصر:

قدیم تہذیبوں میں سے صرف مصری تہذیب ایسی ملتی ہے، جس میں عورت کو اچھا مقام حاصل تھا، جہاں عورت حکمران بھی بنی، لیکن یہ حق عورت کو صرف اس وقت حاصل ہوتا تھا، جب شاہی خاندان میں کوئی مرد وارث نہ ہوتا تھا۔ قدیم مصری نقشے جو ملے ہیں، ان میں ۴۷۰ بادشاہوں کے مقابلہ میں صرف پانچ ملکہ خواتین کا ذکر ملتا ہے۔ (۹)

جب اسلامی ریاست مصر تک پہنچی تو اس وقت نہایت ایک رسمِ بد موجود تھی، ہر بارہ مہینوں کے بعد ایک کنواری نوجوان لڑکی کو دریائے نیل میں پھینکا جاتا تھا، ان کا عقیدہ یہ تھا کہ اس عمل سے دریا میں جوش آئے گا اور خوب پانی آئے گا، اس رسمِ بد کو اسلامی خلیفہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ختم کرایا۔ (۱۰)

یہودی فکر:

یہودیت ایک نسلی مذہب ہے اور یہودی ان کے بقول اللہ کی منتخب قوم ہے۔ یہ مذہب بنیادی طور پر بنی اسرائیل ہی سے بحث کرتا ہے۔ بنی اسرائیل بلاشبہ ایک منتخب قوم تھے اور اللہ تعالیٰ نے ان کی ہدایت کے لئے کئی رسول بھیجے، ان کے سب سے بڑے نجات دہندہ حضرت موسیٰ علیہ السلام تھے، جنہوں نے انہیں فرعون کی غلامی سے نجات دلائی، لیکن اس مذہب کی روایت بھی عورت کے بارے میں کچھ اچھا تصور نہیں پیش کرتی۔ ان کے نزدیک مرد نیک سرشت ہے اور حسنِ کردار کا

حامل ہے اور عورت بدطینت اور مکار ہے۔(۱۱) یہودی فکر میں عورت کو سب برائیوں کی جڑ کہا گیا ہے۔تورات کے مطابق بھی حضرت حوا رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہی حضرت آدم علیہ السلام کو جنت سے باہر نکالنے کا سبب تھی، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے سزا کے طور پر اسے کہا کہ: ''میں تیرے دردِ حمل کو بہت بڑھاؤں گا، تو درد کے ساتھ بچے جنے گی اور تیری رغبت اپنے شوہر کی طرف ہوگی اور وہ تجھ پر حکومت کرے گا۔''(۱۲)

عہد نامہ قدیم باب واعظ میں لکھا ہے کہ: ''جو کوئی خدا کا پیارا ہے، وہ اپنے کو عورت سے بچائے گا، ہزار آدمیوں میں سے میں نے ایک پیارا پایا ہے، لیکن تمام عالم کی عورتوں میں ایک عورت بھی ایسی نہیں پائی، جو خدا کو پیاری ہو''(۱۳) یہودی قانون کی رو سے مرد وارث کی موجودگی میں عورت وراثت سے محروم ہو جاتی تھی، اسی طرح عورت کو دوسری شادی کا بھی حق نہیں تھا۔ (۱۴) روایات کے مطابق عورت ناپاک وجود ہے اور اس کائنات میں مصیبت اسی کے دم سے ہے۔(۱۵) اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ یہودی مذہب میں عورت کی حیثیت کیا ہے؟۔

مسیحی یورپ:

مسیحی یورپ کا ابتدائی اور بنیادی نظریہ یہ تھا کہ عورت گناہ کی ماں اور بدی کی جڑ ہے، مرد کے لئے معصیت کی تحریک کا سرچشمہ اور جہنم کا دروازہ ہے، تمام انسانی مصائب کا آغاز اسی سے ہوا ہے۔ اس کا عورت ہونا ہی اس کے شرمناک ہونے کے لئے کافی ہے، اس کو اپنے حسن و جمال پر شرمانا چاہئے، کیونکہ وہ شیطان کا سب سے بڑا ہتھیار ہے، اسے دائماً کفارہ ادا کرتے رہنا چاہئے، کیونکہ وہ دنیا اور دنیا والوں پر لعنت اور مصیبت لائی ہے۔(۱۶)

طرطولین کے الفاظ عورت کے بارے میں کچھ اس طرح ہیں: ''عورتو! تم نہیں جانتیں کہ تم میں سے ہر ایک حوا ہے۔خدا کا فتویٰ جو تمہاری جنس پر تھا، وہ اب بھی تم میں موجود ہو تو پھر جرم بھی تم میں موجود ہوگا۔ تم تو شیطان کا دروازہ ہو، تم ہی نے آسانی سے خدا کی تصویر یعنی مرد کو ضائع کیا''(۱۷) سینٹ پال اپنے ایک خط میں لکھتا ہے: ''عورت کو چپ چاپ کمالِ تابعداری سے سیکھنا چاہئے اور میں اجازت نہیں دیتا کہ عورت سکھائے یا مرد پر حکم چلائے، بلکہ چُپ چاپ رہے، کیونکہ پہلے آدم بنایا گیا، اس کے بعد حوا۔ اور آدم نے فریب نہیں کھایا، بلکہ عورت فریب کھا کر گناہ میں پڑ گئی''(۱۸) ایک دوسرے خط میں لکھا ہے: ''پس میں تمہیں آگاہ کرنا چاہتا ہوں کہ ہر مرد کا سر مسیح اور عورت کا سر مرد اور مسیح کا سر خدا ہے۔ وہ (مرد) خدا کی صورت اور اس کا جلال ہے، مگر عورت مرد کا جلال ہے، اس لئے کہ مرد عورت سے نہیں، بلکہ عورت مرد سے ہے، اور مرد عورت کے لئے نہیں، بلکہ عورت مرد کے لئے پیدا ہوئی ہے، پس فرشتوں کے سبب سے عورت کو چاہئے کہ اپنے

سر پر محکوم ہونے کی علامت رکھے''۔(۱۹)

ڈاکٹر خالدعلوی لکھتے ہیں: اصل بات یہ ہے کہ مسیحی اخلاقیات میں تجرد اور صنفی تعلقات سے کنارہ کشی ہی اصل کمال تھا، اس لئے نکاح اور صنفی تعلقات بذات خودنجس اور ناقابل التفات تھے، اُن کے ہاں تجرد اور دوشیزگی معیارِ اخلاق قرار پائی اور متأہل زندگی تقویٰ اور بلندیٔ اخلاق کے خلاف سمجھی جانے لگی، چونکہ صنفی تعلق میں عورت ہی بنیادی کردار ہے، اس لئے اسے پست، ذلیل اور گناہ کا ذریعہ قرار دیا گیا۔ مسیحی شریعت میں جتنے قوانین بنے، ان میں عورت کی حیثیت کو پست رکھنے کی کوشش کی گئی۔ وراثت وملکیت میں اس کے حقوق محدود تھے، وہ خود اپنی کمائی پر بھی اختیار نہیں رکھتی تھی، ہر چیز کا مالک مرد تھا۔ طلاق اور خلع کی اجازت نہ تھی۔ مذہب وقانون کی رو سے نکاح کا تعلق ناقابلِ انقطاع تھا۔ نکاح ثانی کی کسی صورت اجازت نہ تھی، خواہ زوجین میں سے کسی کی موت واقع ہوجائے۔ مسیحی علماً کے نزدیک نکاح ثانی مہذب زناکاری تھا۔ مسیحی دنیا کے ملکی قوانین اس بارے میں سخت تھے، گویا مسیحی مذہب نے عورت کی تحقیر اور اسے پابندیوں میں جکڑے رکھنے کی پوری کوشش کی۔ مسیحی دنیا میں عورت کی زندگی ایک بے بس مخلوق اور مرد کے ہاتھ میں کھلونے کے سوا کچھ نہ تھی۔(۲۰)

ہندومت:

ہندومت میں عورت کی حیثیت بھی کچھ ایسی ہی ہے۔ ڈاکٹر خالدعلوی نے اپنی کتاب ''اسلام کا معاشرتی نظام'' میں ہندومت کی ایک تصویر کھینچی ہے۔ اس کے نقل کردہ چند اقتباسات سے اندازہ ہوسکے گا کہ ان کے ہاں عورت کا کیا مقام ہے؟۔ منوسمرتی میں عورت کے متعلق مختلف آراء کا اظہار کیا گیا ہے، جو اس کی حیثیت متعین کرتی ہیں، مثلاً: جھوٹ بولنا عورت کا ذاتی خاصہ ہے، عورت کے لئے ضروری ہے کہ وہ بچپن میں باپ کے اختیار میں رہے، جوانی میں شوہر کے ماتحت اور بیوہ ہونے کے بعد اپنے بیٹوں کے اختیار میں رہے، خود مختار ہوکر کبھی نہ رہے۔ چانکیہ برہمن کے بقول: دریا، مسلح سپاہی، پنجے اور سینگ رکھنے والے جانور، بادشاہ اور عورت پر بھروسہ نہیں کرنا چاہئے۔ جھوٹ بولنا، بغیر سوچے سمجھے کام کرنا، فریب، حماقت، طمع، ناپاکی اور بے رحمی عورت کے جبلی عیب ہیں۔ شہزادوں سے تہذیبِ اخلاق، عالموں سے شیریں کلامی، قمار بازوں سے دروغ گوئی اور عورتوں سے مکاری سیکھنی چاہئے۔ آگ، پانی، جاہل مطلق، سانپ، خاندانِ شاہی اور عورت یہ سب موجبِ ہلاکت ہوتے ہیں، ان سے ہوشیار رہنا چاہئے۔ پھر رسمِ ستی خود اس بات کا ثبوت ہے کہ عورت کی کوئی حیثیت نہیں۔(۲۱) صرف ۱۸۱۵ء سے لے کر ۱۸۲۵ء تک دس سال میں انہوں نے چھ ہزار عورتوں کو اس طرح ستی کر دیا۔(۲۲) عورت کو خلع اور وراثت کا کوئی حق نہیں، اس کے رشتہ

دار جائیداد لیں گے، لیکن اس کو کوئی حصہ نہیں ملے گا۔ اسے مذہبی تعلیم سے محروم کیا جاتا تھا۔ سنسکرت میں لڑکی کو ''دوہتر'' (دور کی ہوئی) بیوی کو ''پتنی'' (مملوکہ) کہا جاتا ہے۔ (۲۳)

ہندوؤں کا قانون کہتا ہے: تقدیر، طوفان، موت، جہنم، زہر، زہریلے سانپ ان میں سے کوئی اس قدر خراب نہیں، جتنی عورت۔

بقول سلیمان ندوی مرحوم: اسلام سے پہلے جو اخلاقی مذاہب ہیں، ان سب میں عورت مرد کے ازدواجی تعلقات کو اخلاق وروح کی ترقی واعلیٰ مدارج کے لئے مانع تسلیم کیا گیا۔ ہندوستان میں بدھ، جین، ویدانت اور سادھوپن کے تمام پیرو اسی نظریہ کے پابند تھے۔ (۲۵)

ان تمام باتوں سے پتہ چلتا ہے کہ ہندو معاشرت میں عورت کو کیا مقام حاصل تھا؟۔

عرب سماج:

عرب سماج میں عورت کی نہایت بری حالت تھی، نہ اسے شخصی ملکیت رکھنے کا حق حاصل تھا، نہ ہی اسے ورثہ میں سے حصہ ملتا تھا، بلکہ عورت کو خود ورثہ اور ملکیت سمجھا جاتا تھا، نہ اسے گواہی دینے کا حق حاصل تھا، اور نہ اس کی شادی کے بارے میں اس سے رائے لی جاتی تھی۔ بیویوں کی کوئی حد متعین نہیں تھی۔ حارث بن قیس اسدی مسلمان ہوئے تو اُن کی آٹھ بیویاں تھیں۔ (۲۶) غیلان بن سلم ثقفی مسلمان ہوئے تو اُس کی دس بیویاں تھیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں چار چار بیویاں رکھنے اور باقیوں کو چھوڑ دینے کا حکم دیا۔ (۲۷) طلاق پر کوئی پابندی نہیں تھی اور عدت ختم ہونے سے پہلے رجوع کر لیتے تھے، اس طرح وہ عدت کو کبھی ختم نہیں ہونے دیتے تھے اور عورت کو تنگ کرتے رہتے تھے (۲۸)۔ باپ کی بیوی سے شادی کر لینا جاہلیت میں عام معمول تھا۔ (۲۹)

سعد بن ربیعؓ جنگ اُحد میں شہید ہوئے تو اس کی ایک بیوہ اور دو بیٹیاں تھیں، لیکن ان کے پورے مال پر ان لڑکیوں کے چچا نے قبضہ کرلیا، کیونکہ جاہلیت میں یہی دستور تھا، اس وقت سورۂ نساء کی آیات ''یوصیکم اللّٰہ فی أولادکم الخ'' اتریں، اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بچیوں کے چچا کو بلا کر فرمایا: بچیوں کو دو تہائی اور ان کی ماں کو آٹھواں حصہ دو اور جو بچ جائے، وہ تمہارا ہے (۳۰)۔ عام طور پر عرب سماج لڑکی کے پیدا ہونے کو عیب سمجھتا تھا، جیسے قرآن مجید میں ارشاد ہے: ''جب ان میں سے کسی کو بیٹی کے پیدا ہونے کی خبر دی جاتی ہے تو اس کے چہرے پر کلونس چھا جاتی ہے، اور وہ بس خون کا سا گھونٹ پی کر رہ جاتا ہے، لوگوں سے چھپتا پھرتا ہے کہ اس بُری خبر کے بعد کیا کسی کو منہ دکھائے؟ سوچتا ہے کہ ذلت کے ساتھ بیٹی کو لئے رہے یا مٹی میں دبا دے۔ دیکھو! یہ کتنا بُرا فیصلہ کررہے ہیں'' (۳۱)۔ بعض سنگدل لوگ تو ایسے بھی تھے جو بیٹیوں کو پیدا ہوتے ہی زندہ درگور کر دیتے تھے، جیسے قرآن مجید کہتا ہے: ''وإذا الموؤدۃ سئلت بأیّ ذنب قتلت'' (۳۲)۔

(اس وقت کو یاد کرو) جب زندہ دفن کی ہوئی لڑکی سے پوچھا جائے گا کہ کس جرم کی پاداش میں اسے قتل کیا گیا؟ قیسؓ بن عاصم نے جاہلیت میں بارہ تیرہ لڑکیاں زندہ دفن کی تھیں، گویا ان کی زندگی کی کوئی قیمت نہ تھی (۳۳)۔

عربوں کے ہاں عورت کی جو حیثیت تھی، اس کے بارے میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا مختصر جامع قول صحیح عکاسی کرتا ہے، آپؓ نے فرمایا: ''خدا کی قسم! ہم دورِ جاہلیت میں عورتوں کا کوئی حق نہیں سمجھتے تھے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں قرآنی آیات نازل کیں اور ان کے حقوق متعین کئے (۳۴)''۔

ان تمام حالات سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اسلام سے پہلے عورت کی حیثیت کیا تھی؟۔

مراجع ومصادر

۱:... عبداللہ مراعی، اسلام اور دیگر مذاہب ومعاشروں میں عورت کے حقوق ومسائل۔اردو ترجمہ: مفتی ثناء اللہ محمود، کراچی، دار الاشاعت ۲۰۰۱ء، ص: ۳۸، ۴۱

۲:... سید ابوالاعلیٰ مودودی، پردہ، لاہور، اسلامک پبلیکیشنز، ۱۹۹۸ء طبع: ۴۹، ص: ۱۴

۳:... مولانا محمد ظفیر الدین: اسلام کا نظام عفت وعصمت، مکتبہ نظیریہ اچھرہ، لاہور، ص: ۳۷

۴:... مبارک علی ڈاکٹر: تاریخ اور عورت، فکشن ہاؤس، لاہور، ۱۹۹۳ء، ص: ۳۴

۵:... جلال الدین عمری: عورت اسلامی معاشرہ میں، لاہور، اسلامک پبلیکیشنز، ۱۹۹۶ء طبع: ۱۳، ص: ۱۹

۶:... فرید وجدی: مسلمان عورت، ترجمہ ابوالکلام آزاد، کراچی، سندھیکا اکیڈمی، ۲۰۰۶ء، طبع: اول ص: ۱۲۰

۷:... عبداللہ مراعی، اسلام اور دیگر مذاہب ومعاشروں میں عورت کے حقوق ومسائل، ص: ۳۰

۸:... ڈاکٹر خالد علوی: اسلام کا معاشرتی نظام، لاہور، الفیصل ناشران، ۲۰۰۵ء طبع اول، ص: ۴۶۵

۹:... عبداللہ مرعی، اسلام اور دیگر مذاہب ومعاشروں میں عورت کے حقوق ومسائل، ص: ۳۰

۱۰:... بن کثیر اسماعیل: البدایہ والنہایہ، قاہرہ، دار ابی حیان، ۱۹۹۶ء، طبع: اول، جلد: ۷، ص: ۱۲۱، ۱۲۲

۱۱:... ڈاکٹر خالد علوی: اسلام کا معاشرتی نظام، ص: ۴۶۵

۱۲:... کتاب مقدس ''عہد نامہ قدیم وجدید'' لاہور، بائبل سوسائٹی، ۱۹۵۹ء، پیدائش، باب: ۳، آیت: ۱۲، ۱۷

۱۳:... مولانا محمد ظفیر الدین: اسلام کا نظام عفت وعصمت: ص ۳۷

۱۴:... جلال الدین عمری: عورت اسلامی معاشرہ میں، ص: ۲۷

۱۵:... خالد علوی: اسلام کا معاشرتی نظام، ص: ۴۶۶

۱۶:... سید ابوالاعلیٰ مودودی: پردہ، ص: ۲۰

۱۷:... ڈاکٹر خالد علوی: اسلام کا معاشرتی نظام، ص: ۴۶۷

۱۸:... کتابِ مقدس ''عہد نامہ قدیم وجدید''، یمتھیس کے نام پولوس رسول کا پہلا خط، باب:۲، عہد نامہ جدید، ص:۲۰۳

۱۹:... جلال الدین عمری: عورت اسلامی معاشرہ میں، ص:۲۸، بحوالہ پولس رسول کا پہلا خط کرنتھیوں کے نام، باب:۱۱

۲۰:... خالد علوی: اسلام کا معاشرتی نظام، ص:۴۶۸

۲۱:... یضاً، ص:۴۶۸

۲۲:... عبداللہ مرعی، اسلام اور دیگر مذاہب ومعاشروں میں عورت کے حقوق ومسائل۔ اردو ترجمہ: مفتی ثناء اللہ محمود، ص:۳۶

۲۳:... خالد علوی: اسلام کا معاشرتی نظام، ص:۴۶۸

۲۴:... محمد ظفیر الدین: اسلام کا نظامِ عفت وعصمت، ص:۴۱

۲۵:... سید سلیمان ندوی: سیرۃ النبی، کراچی، دارالاشاعت، ۱۹۸۵ء، طبع: اول ۶/۲۲۲

۲۶:... بوداؤد سلیمان بن اشعث، سنن ابی داؤد، الریاض، دارالسلام، طبع: اول، ۱۹۹۹ء، کتاب الطلاق، ص: ۳۲۴، حدیث: ۲۲۴۱

۲۷:... ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی، جامع الترمذی، الریاض، دارالسلام، طبع: اول، ۱۹۹۹ء، کتاب النکاح، ص: ۲۷۳، حدیث: ۱۱۲۸

۲۸:... سنن ابی داؤد، کتاب الطلاق، ص: ۳۱۷، حدیث: ۲۱۹۵

۲۹:... ابن کثیر ابوالفداء اسماعیل: تفسیر القرآن الکریم، بیروت، طبع: اول ۱۹۹۰ء، جلد: ۱، ص: ۵۱۰

۳۰:... یضاً، ص: ۴۹۷

۳۱:... سورۃ النحل: ۵۸، ۵۹

۳۲:... سورۃ التکویر: ۸، ۹

۳۳:... بن کثیر: تفسیر القرآن الکریم ۴/ ۵۰۵

۳۴:... مسلم: الصحیح، الریاض، دارالسلام، ۲۰۰۰ء، طبع: دوم، کتاب الطلاق، حدیث: ۳۶۹۲

(جاری ہے)

''مشاہیر'' نادر و نایاب مکاتیب کا عظیم ذخیرہ

نسخہ ہائے وصل و وفا

محمد عمر انور

کسی بھی اچھی علمی، تاریخی، اصلاحی اور تعمیری کتاب کا مطالعہ کے لیے میسر ہو جانا دنیا میں اللہ کی نعمتوں میں سے ایک بہترین نعمت ہے، اور پھر وہ کتاب اگر اکابر علماء اہل علم وفن و ادب کے نادر و نایاب ذاتی اور غیر مطبوعہ خطوط پر مشتمل ہو تو پھر اس نعمت کا حق شکر زبان وقلم سے ادا کرنا ممکن نہیں، چند روز قبل عشاء کی نماز سے فارغ ہو کر گھر کی طرف جارہا تھا، راستے میں کتابوں کی دکان آئی، دل میں سوچا کہ جا کر دیکھوں تو سہی شاید کوئی نئی کتاب آئی ہو، دکان پہنچا، ادھر ادھر مختلف الماریوں میں نظر دوڑائی تو سب سے اوپر ''مشاہیر'' کے نام سے خطوط و مکاتیب پر مشتمل پانچ جلدوں میں ایک نئی کتاب پر نظر پڑی، تمام جلدیں نیچے اتروا کر دیکھا تو کتاب کی پشت پر موجود شخصیات کے اسمأ گرامی میں سے ہر نام ہی کشش اور دلچسپی کا باعث تھا، دکان میں کھڑے کھڑے اپنی پسندیدہ ترین شخصیت حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ کے خطوط پڑھ ڈالے، پھر یہ سوچ کر کہ جب استطاعت ہوگی خریدلوں گا، کتابوں کی دکان سے نکل کر گھر کا رخ اختیار کیا۔

تین دن بعد زمانہ طالب علمی کے ایک پرانے دوست سے کافی طویل عرصے بعد فون پر رابطہ ہوا، باتوں ہی باتوں میں اسی کتاب کا ذکر نکل پڑا، احساس ہوا کہ اس دن وہ کتاب خرید لینی چاہیے تھی، چنانچہ اسی دن دوبارہ اس دکان جا کر خرید لایا، تادم تحریر گذشتہ پانچ راتیں اسی کتاب کے مطالعے میں گم رہا، کسی بھی اچھی کتاب کی خوبیوں میں سے ایک خوبی یہ ہوسکتی ہے کہ اس کتاب کی ہر جلد اور ہر صفحہ قاری کو اپنا آپ پڑھنے پر مجبور کر ڈالے، ''مشاہیر'' کو ہاتھ میں لینے کے بعد قاری کے لیے یہ فیصلہ کرنا کافی دشوار ہو جاتا ہے کہ کیا پڑھے، کس کا خط پہلے پڑھے اور کس کا بعد میں، یہ محض ایک کتاب نہیں بلکہ ایک قیمتی

تاریخی خزانہ ہے جو اب تک مدفون تھا، کوئی بھی کتاب محض اپنے نام یا مصنف کی وجہ سے نہیں بلکہ اپنے مندرجات کی وجہ سے دلچسپی اور شہرت اختیار کرتی ہے، اس کتاب میں برصغیر پاک و ہند کی تمام معروف وغیر معروف شخصیات کی نگارشات موجود ہیں، اگلے دن ایک ساتھی سے ''مشاہیر'' کا ذکر ہوا ،راقم نے عرض کیا کہ ایک ہی کتاب میں ایک ہی شخصیت کے نام اتنی بلند بلند ہستیوں کے خطوط یک جا میسر ہو جانا، ناممکن تو نہیں لیکن مشکل ضرور ہے، چنانچہ جس جس شخصیت کا نام دل ودماغ میں آیا کہ دیکھوں تو سہی ان کے خطوط موجود ہیں یا نہیں، اور پھر جیسے ہی فہرست میں دیکھا تو اس مطلوبہ شخصیت کا نام موجود پایا، ''مشاہیر'' کس طرح وجود میں آئی؟ یہ جاننے سے قبل کچھ تاریخی پس منظر جاننا ضروری ہے۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا عبد الحق صاحب رحمہ اللہ، جامعہ دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک، مولانا سمیع الحق صاحب اور ماہ نامہ ''الحق'' یہ ایک مربع کی مانند ہیں جس کا ہر سرا دوسرے سے مربوط ہے، شیخ الحدیث رحمہ اللہ کا سن پیدائش ۱۹۱۰ء یا ۱۹۱۲ء ہے، آپ نے عظیم علمی و دینی ادارے دار العلوم دیوبند سے ۱۳۵۱ھ میں سند فراغت حاصل کی، ۱۳۶۶ھ تک آپ دار العلوم دیوبند میں تدریس کرتے رہے، اور پاکستان کے بننے کے ساتھ ہی اسی سال یعنی ۱۹۴۷ء میں اکوڑہ خٹک (صوبہ خیبر پختون خواہ) میں آپ نے دار العلوم حقانیہ کی بنیاد رکھی، گویا دار العلوم حقانیہ اور وطن عزیز پاکستان تاریخی اعتبار سے ہم عمر ہیں، حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ اور دار العلوم حقانیہ کی جو دینی، علمی، ملکی وملی خدمات اور کارنامے ہیں، درحقیقت ''مشاہیر'' کی یہ آٹھ عظیم الشان جلدیں اسی کا مظہر ہیں۔

حضرت مولانا عبد الحق صاحب رحمہ اللہ کے صاحبزادے مولانا سمیع الحق صاحب کا سن ولادت ۱۹۳۷ء ہے، بیس سال کی عمر میں ۱۹۵۷ء میں آپ نے دار العلوم حقانیہ سے سند فراغت حاصل کی اور ۱۹۵۸ء سے تاحال آپ دار العلوم حقانیہ میں ہی تدریس کی خدمات انجام دے رہے ہیں ،مولانا سمیع الحق صاحب نے ۱۹۶۵ء میں جامعہ دار العلوم حقانیہ سے ماہ نامہ ''الحق'' کا اجرا کیا، جس کا شمار آج بھی دنیائے اردو کے بہترین دینی، علمی، اصلاحی رسالوں میں کیا جاتا ہے، اکابر اہل علم وادب نے ہمیشہ اس کو سراہا اور اس کو اردو زبان کے تمام حلقوں میں نمایاں پذیرائی حاصل ہوئی، یہ تقریباً ایک صدی کا طویل اور پرمشقت سفر ہے جو یہاں مختصراً ذکر کیا گیا۔

مولانا سمیع الحق صاحب زید مجدہ کو نوعمری سے ہی خطوط اور ان کے لفافے جمع کرنے کا بے حد شوق تھا، اپنے اسی شوق کے بارے میں خود پیش لفظ میں لکھتے ہیں:

''حضرت والد ماجدؒ کی چارپائی کے سرہانے لگی ہوئی کتابوں سے بھری ہوئی الماری کے ایک کونہ میں لٹکا ہوا سبز رنگ کا مخملی تھیلہ میرے لیے جاذب نظر بنا رہتا، اس تھیلہ میں حضرت قدس سرہ اپنے اکابر اساتذہ دیوبند اور اہم احباب اور دوستوں کے آئے ہوئے خطوط ڈالتے اور غالباً صرف تبرک اور تذکّر کے طور پر یہ عام خطوط کی طرح

ضائع ہونے کی چیز نہیں، میرا شوق تجسس حضرت کی غیر موجودگی میں اسے ٹٹولنے پر مجبور کردیتا، ان خطوط کے لکھنے والوں کے دست خط مثلاً حسین احمدؒ، اعزاز علیؒ، مبارک علیؒ، محمد طیبؒ وغیرہ مجھے چمکتے ہوئے ہیروں اور نگینوں کی طرح محسوس ہوتے اور دل میں اتر جاتے، پھر ساتھ ہی تشویش لاحق ہوتی کہ حضرت کے اردگرد کتابوں، رسائل ومجلّات اور بکھرے ہوئے درسی افادات اور مخطوطات کے پلندوں میں یہ خطوط کہیں گم نہ ہوجائیں، پھر اسی طرح حضرت والد ماجدؒ کی زندگی، درس وتدریس اور سیاسی وملی خدمات میں اس قدر الجھی ہوئی تھی کہ انہیں مستقبل میں سنبھالے رکھنا دشوار معلوم ہوتا تھا، ہر چند کہ حضرت اپنے کاغذات وغیرہ میں نوعمر بچوں وغیرہ کی مداخلت پر ناراض ہوتے تھے لیکن مجھے جب موقع ملتا ایسے خطوط کو چن چن کر اپنی ذاتی المار ی میں محفوظ کرتا رہا، بچپن میں ڈاک کے ٹکٹوں، پرانے سکوں اور مختلف ڈیزائن کے ماچس جمع کرنے کی بجائے اللہ تعالی نے مجھے ان خطوط کو جمع کرنے کا شوق عطا فرمایا اور شاید اس طرح کاتب تقدیر نے میرے ذریعے ان جواہر نما مکاتیب اور تاریخی اثاثے کو اہتمام کے ساتھ محفوظ کرایا تاکہ یہ خیر کثیر امت کے سامنے آکر ''استفادہ اور رہنمائی'' کے کام آسکے، حتی کہ خطوط کے ساتھ ساتھ لفافے بھی جمع کرتا رہا، پھر جوں جوں عقل وشعور کی منزلیں سر کرنے لگا تو ان کی قدر واہمیت اور بھی سامنے آتی گئی''۔

دارالعلوم دیوبند، جامعہ حقانیہ، شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحب رحمہ اللہ، ماہ نامہ ''الحق'' اور ان سب پر مستزاد مولانا سمیع الحق صاحب زید مجدہ کی ملکی سیاسی وملی خدمات، ان تمام نسبتوں اور حوالوں سے گذشتہ پون صدی میں دنیا بھر سے معروف وغیر معروف علمی، ادبی، دعوتی، صحافتی اور سیاسی شخصیات کے جو بھی مکاتیب ورسائل اور دعوت نامے مولانا سمیع الحق یا ان کے والد بزرگوار کے نام آئے مولانا سمیع الحق صاحب نے انہیں حرز جان بناکر محفوظ رکھا، ان قیمتی مکاتیب ورسائل کی حفاظت اور نگہداشت مولانا زید مجدہ نے کس طرح کی، اس کا ذکر خود انہی کے قلم سے کتاب کے مقدمہ میں موجود ہے۔ مولانا کے ذوق وشوق کا اندازہ اس سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے کہ اس مجموعے میں خطوط ورسائل کے علاوہ وہ تمام دعوت نامے بھی موجود ہیں جو کسی بھی تقریب کی مناسبت سے مولانا کو ارسال کیے گئے، مولانا زیدمجدہ رقم طراز ہیں:

''اس دوران ہمیشہ دل میں یہ کھٹکا رہتا کہ کہیں کسی حادثے اور ناگہانی آفت کے نتیجے میں یہ عظیم ذخیر ضائع نہ ہوجائے، اس کی حفاظت اور دیکھ بھال کی فکر ہر وقت دامن گیر رہتی، پچھلے سال ۲۰۱۰ء میں صوبہ سرحد میں خطرناک تباہ کن سیلاب میں جب پانی دارالعلوم کی حدود کے قریب پہنچنے لگا اور اطلاع تھی کہ پشاور میں ایک ڈیم بھی ٹوٹ گیا ہے تو سب سے پہلے آدھی رات کو یہ سارا قیمتی اثاثہ اور کمپیوٹرز سمیت ایوان شریعت کی

عظیم بلند بلڈنگ کی چھت پر پہنچایا گیا، پھر دوسرے کاغذات وضروریات وغیرہ اور بعد میں اہل خانہ اور بچوں کی حفاظت کا خیال آیا''۔

''مشاہیر'' کے نام سے یہ ضخیم کتاب بڑے سائز کی آٹھ جلدوں پر مشتمل ہے، جس میں سے فی الحال پانچ جلدیں چھپ چکی ہیں، شنید ہے کہ چھٹی اور ساتویں جلد بھی چھپ کر منظر عام پر آ چکی ہے، جلد اول میں وہ مکاتیب شامل ہیں جو شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحب رحمہ اللہ کے نام لکھے گئے، چار جلدیں ان خطوط ودستاویزات پر مشتمل ہیں جو حضرت مولانا سمیع الحق صاحب زیدہ مجدہ کے نام لکھے گئے، چھٹی جلد افغانستان، جہادی مشاہیر کے خطوط، رپورٹیں، تحریک طالبان کو سمیٹے ہوئے ہیں، ساتویں جلد بیرونی ممالک، ایران، عالم عرب، افریقہ، سینٹرل ایشیا، فارایسٹ، امریکہ اور یورپی ممالک سے متعلق ہے اور آٹھویں جلد ضمیمہ جات، اضافات اور توضیحات پر مشتمل ہے، گویا یہ آٹھ ضخیم اور بھاری بھرکم جلدیں گذشتہ پون صدی کی ایک قیمتی دستاویز بلکہ تاریخ ہے، آنے والے مؤرخین ان کے ذریعے حسب استطاعت نایاب گوہر ویواقیت نکال سکیں گے، ''مشاہیر'' کے سرورق پر اس کا تعارف ان الفاظ سے کرایا گیا ہے:

> ''تقریباً پون صدی پر مشتمل اساطین علم وادب، علماء ومحدثین، مشائخ واکابرین امت، نامورا ہل قلم، شہسواران صحافت، دانش وردمصنفین، سیاسی زعماء، حکمران وسلاطین کے مکتوبات، نگارشات، تأثرات اور احساسات کا مجموعہ، علمی، فقہی، مذہبی مسائل، ملکی تحریکات وبین الاقوامی سیاسی اتار چڑھاؤ اور عالم اسلام کو درپیش بحرانوں کے مدوجزر پر ارباب فکر ودانش کے خیالات وافکار کا ایک عظیم الشان ذخیرہ''۔

قارئین کی سہولت کے لیے مکتوب نگاروں کی ترتیب فرق مراتب کا لحاظ کیے بغیر حروف تہجی الف باء کے مطابق رکھی گئی ہے، ہر جلد کے آغاز میں اس جلد میں آنے والے مکتوب نگاروں کے تحریری خطوط کا ایک ایک عکسی نمونہ بھی دیا گیا ہے، اول سے آخر تک ہر خط کو امتیازی عنوان دینے کا اہتمام خاص طور پر کیا گیا ہے، اس طرح ہر متلاشی علم وادب فہرستوں پر ایک نظر ڈال کر اپنے مطلوبہ مواد اور دلچسپی کے امور تک پہنچ سکتا ہے، ورنہ بیشتر مجموعہ مکاتیب بغیر عنوان کے مسلسل ہوتے ہیں جس کی وجہ سے ان سے کما حقہ فائدہ حاصل نہیں ہو پاتا۔ مکتوب نگاران کے مختصر تعارف اور خطوط کے پس منظر اور وضاحت طلب امور کی حاشیہ میں توضیح وتشریح نے اس کتاب کے حسن میں مزید اضافہ کر دیا ہے، مکتوب نگاروں کے تعارف میں حضرت مولانا سمیع الحق صاحب زید مجدہ نے جس جامعیت اور لطافت کو اختیار کیا ہے وہ بے مثال ہے، بلکہ مولانا سے فرمائش ہے کہ شخصیات کے تعارفی حواشی کو اگر مستقل کتابی صورت میں شائع کر دیا جائے تو وہ بھی ایک خاصے کی چیز ہوگی، اور تذکرہ نویسی میں یقیناً ایک نئے اسلوب کا اضافہ بھی ہوگا، اس سے ملتا جلتا اسلوب اس سے قبل ''نقش دوام'' میں حضرت مولانا محمد

انظر شاہ کشمیری رحمہ اللہ کے قلم سے ملتا ہے، جو اَب ''لالہ وگل'' کے نام سے علیحدہ کتابی صورت میں شائع ہو چکے ہیں، ''مشاہیر'' نے صرف مشاہیر ہی کو زندہ نہیں کیا بلکہ بہت سی ایسی گم نام شخصیات کو بھی جلا بخشی جو اب تک ہم سے مخفی تھے اور شاید مخفی ہی رہتے، ''مشاہیر'' اپنی ضخامت، مختلف میدانوں میں ماضی قریب کی تقریباً تمام بڑی شخصیات کے مکاتیب و خطوط کے حوالے سے کسی بھی زبان میں اپنی نوعیت کا پہلا مجموعہ مکاتیب ہے، اس تمام کدوکاوش پر حضرت مولانا سمیع الحق صاحب زید مجدہ کی جتنی بھی تحسین وتعریف کی جائے وہ کم ہے کہ وہ اس عظیم، قیمتی اور علمی خزانے کے صحیح امین بنے اور اس امانت کو ہم جیسے ناکارہ طالب علموں تک بحسن وخوبی پہنچایا، مولانا زید مجدہ کی علمی ودینی کارناموں پر میری خامہ فرسائی سورج کو چراغ دکھانے کے مترادف ہوگی، حقیقت میں مولانا زید مجدہ کی ذات اپنی دینی وعلمی خدمات کی بدولت اس مقام پر ہے کہ:

نہ ستائش کی تمنا نہ صلے کی پروا

مولانا زید مجدہ نے کتاب کے پیش لفظ کے آخر میں جو اپنا تلخ مشاہدہ نقل کیا ہے وہ ہم جیسے نوآموزوں کے لیے سبق آموز بھی ہے اور دیدہ عبرت بھی:

> ''یہاں پر ایک بڑا ہی تلخ مشاہدہ سامنے آرہا ہے کہ عہد جدید کی ٹیکنالوجی، الیکٹرانک میڈیا، ٹیلی کمیونیکیشن، موبائل (موبائل میسجز) اور انٹرنیٹ وغیرہ کی سہولیات نے مکتوب نگاری کے رواج کو بالکل محدود وا پاہج کردیا ہے اور مستقبل میں تو مزید نت نئی چیزیں بڑی تیزی کے ساتھ آرہی ہیں جس سے خط وکتابت کے عظیم ورثے کو بڑا خطرہ لاحق ہوگیا ہے، اسی لیے مجھے اندیشہ ہے کہ خدانخواستہ یہ عظیم متنوع مجموعہ مکاتیب ایک شاندار عہد اور عظیم الشان تاریخی روایات کا آخری ضخیم ایڈیشن ثابت نہ ہو، کاش کہ امت کے نونہالوں کے ہاتھ قلم کی تقدیس، کاغذ کے لمس اور مضمون نویسی ومکتوب نگاری کی لذت سے تادیر آشنا رہیں اور مکتوب نگاری کا فن اور تاریخی روایات قاصد وکبوتر کی پیغام رسانی کی طرح معدوم نہ ہونے پائیں''۔

مکاتیب ودستاویز کا یہ نادرونایاب ضخیم ذخیرہ اور قیمتی خزانہ اور مولانا زید مجدہ کا اپنے عہد طفولیت سے لے کر پیرانہ سالی تک ان کو سنبھال کر محفوظ رکھنا اور پھر یہ امانت ہم تک پہنچا دینا، شاید اس شعر کا اتنا بہترین مصداق کہیں اور نظر نہ آئے کہ:

چند اوراق کتب چند بزرگوں کے خطوط
بعد مرنے کے میرے گھر سے یہ ساماں نکلا

قارئین کی دل چسپی کے لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مضمون کے آخر میں ''مشاہیر'' میں سے چند شخصیات کے نام حروف تہجی کی ترتیب سے یہاں ذکر دیے جائیں جن کے مکاتیب اس مجموعہ میں شامل ہیں:

مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ	سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ	مولانا ابوالوفاء افغانیؒ	ابوسلمان شاہ جہان پوری
اجمل خٹکؒ	احسان الٰہی ظہیر شہیدؒ	مولانا مفتی احمد الرحمٰنؒ	مولانا احمد علی لاہوریؒ
مولانا شاہ احمد نورانیؒ	اختر راہی (سفیر اختر)	مولانا محمد ادریس میرٹھیؒ	ارشاد احمد حقانیؒ
مولانا سید ارشد مدنی	سید ازہر شاہ قیصرؒ	محمد اسحاق بھٹی	مولانا اسحاق جلیس ندویؒ
مولانا اسحاق سندیلوی ندویؒ	ڈاکٹر اسرار احمدؒ	مولانا سید اسعد مدنیؒ	جسٹس محمد افضل چیمہ
اکبر خان بگٹی	الطاف حسین قریشی	مولانا امین احسن اصلاحیؒ	مولانا محمد امین اورکزئی شہیدؒ
مولانا انظر شاہ کشمیریؒ	مولانا ایوب جان بنوریؒ	مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ	مولانا اعزاز علیؒ
قاضی احسان احمد شجاع آبادیؒ	ڈاکٹر محمد ایوب قادریؒ	شاہ بلیغ الدین	پروفیسر پری شان خٹک
مولانا تاج محمودؒ	جسٹس تنزیل الرحمٰن	مولانا تقی الدین ندوی	مولانا مفتی محمد تقی عثمانی
جانباز مرزا	مفتی محمد جمیل خان شہیدؒ	مولانا حبیب اللہ مختار شہیدؒ	مولانا حسن جان شہیدؒ
پروفیسر محمد حسن عسکریؒ	مولانا سید حسین احمد مدنیؒ	قاضی حسین احمد	حفیظ جالندھریؒ
ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ (فرانس)	حیات محمد خان شیر پاؤ	مولانا مفتی محمد حسنؒ	مولانا خواجہ خان محمدؒ
مولانا خیر محمد جالندھریؒ	خالد علویؒ	مولانا خلیل الرحمٰن نعمانی	پروفیسر خورشید احمد
ذوالفقار علی بھٹوؒ	چودھری رحمت علیؒ	ڈاکٹر رشید احمد جالندھری	مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی
مولانا محمد رابع ندوی	شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ	مولانا سید زکریا بنوریؒ	مولانا مفتی محمد زرولی خان
زیڈ اے سلہری	مولانا مفتی زین العابدینؒ	مولانا سرفراز خان صفدرؒ	مولانا محمد سالم قاسمیؒ
حکیم محمد سعید شہیدؒ	مولانا سعید احمد اکبر آبادی	مولانا مفتی محمد شفیعؒ	علامہ شمس الحق افغانیؒ
مولانا شہاب الدین ندویؒ	شورش کاشمیریؒ	میر شکیل الرحمٰن	پروفیسر صغیر حسن معصوی
محمد صلاح الدین شہیدؒ	جنرل ضیاء الحق شہیدؒ	ضیاء الدین اصلاحی (معارف)	مولانا محمد طاسینؒ
مولانا قاری محمد طیب قاسمیؒ	طالب ہاشمی	طاہر القادری	محمد طفیل (نقوش)
مولانا ظفر احمد عثمانیؒ	مولانا ظفر احمد انصاریؒ	ایس ایم ظفر	مولانا عبدالرشید نعمانیؒ
مولانا عزیر گلؒ	مولانا عبدالحق نافع گلؒ	سردار عبدالرب نشترؒ	مولانا عبدالرزاق اسکندر
مولانا عطاء اللہ شاہ بخاریؒ	مولانا عبداللہ کاکاخیلؒ	ڈاکٹر سید عبداللہؒ	ڈاکٹر عبداللہ چغتائیؒ
مولانا عبدالماجد دریا آبادیؒ	مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی	مولانا عبدالغفور عباسیؒ	مولانا عبداللہ درخواستیؒ
مولانا عبدالقادر آزادؒ	بھائی عبدالوہاب صاحب	مولانا عبدالرحمٰن کامل پوریؒ	مولانا محمد علی جالندھریؒ
خان عبدالولی خان	مولانا غلام اللہ خانؒ	حافظ غلام حبیب نقشبندیؒ	مولانا غلام غوث ہزارویؒ
ڈاکٹر غلام محمد	مولانا فضل الرحمٰن	کوثر نیازی	ماہر القادریؒ
مولانا حکیم محمد اختر صاحب	مجیب الرحمٰن شامی	مجید نظامی	مولانا محمد بنوری شہیدؒ
مولانا مفتی محمودؒ	مولانا مرغوب الرحمٰنؒ	مشفق خواجہؒ	مصطفیٰ صادقؒ
شاہ معین الدین ندویؒ	مولانا محمد منظور نعمانیؒ	محمد موسیٰ بھٹو	مفتی نظام الدین شامزیؒ
نعیم صدیقیؒ	سید نفیس الحسینیؒ	ملک نواز احمد اعوان	مولانا محمد میاںؒ (مؤرخ)
وحید الدین خان	مولانا مفتی ولی حسن ٹونکیؒ	مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ	مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ

اسلام کا بول بالا ہونا چاہیے

طیبہ ضیاء چیمہ، نیویارک

وزیراعظم پاکستان فرماتے ہیں کہ: ’’ناموس رسالت‘‘ سمیت تمام قوانین پر عملدرآمد ہونا چاہئے۔ مذہب کا ریاست سے کوئی تعلق نہیں ہونا چاہئے۔ اقلیتوں میں سے بھی صدر، وزیراعظم اور چیف جسٹس ہونا چاہئے۔‘‘ وزیراعظم یوسف رضا گیلانی کا تعلق ایک مذہبی گھرانے سے تھا، مگر وزارتِ اعظمی نے انہیں چکرا دیا ہے۔ کرپشن، جھوٹ، تکبر اور بے وزن بیانات اور خطابات نے ان کی ساکھ کو نہ صرف نقصان پہنچایا ہے بلکہ ان کے بزرگوں کو بھی شرمندہ کیا ہے۔ اسلامی مملکت کے نام نہاد مسلمان وزیراعظم ایک طرف ناموس رسالت کے قانون پر عملدرآمد کی بات کرتے ہیں اور دوسری طرف غیر مسلم کو صدر، وزیراعظم اور چیف جسٹس بنانے کی تجویز دیتے ہیں۔ امریکا کے آئین میں بھی مذہب ریاست سے الگ ہے مگر دنیا کی اس آزاد ترین، خود مختار اور سب سے بڑی جمہوری ریاست میں بھی مذہب کو ریاست سے الگ نہ کیا جاسکا۔ امریکا میں تمام مذاہب کے لوگ آباد ہیں مگر عیسائی مذہب کے ماننے والوں کی اکثریت ہے، لہٰذا وہائٹ ہاؤس میں جانے کے لئے عیسائی ہونا لازمی ہے۔ غیر مسیحی امریکا کا صدر نہیں بن سکتا بلکہ ملک کے دیگر حساس اور اعلیٰ عہدوں پر بھی عیسائیوں کو فوقیت دی جاتی ہے۔ یوسف رضا گیلانی کا اقلیتوں کے ساتھ پیار محبت کا ’’ڈرامہ‘‘ اپنی جگہ مگر سیاست کے لئے اس حد تک چلے جانا کہ پاکستان ایسی مسلم ریاست میں کسی غیر مسلم کو ہیڈ آف اسٹیٹ بنانے کی تجویز دینا سراسر منافقت اور جہالت ہے۔ پاکستان ایک اسلامی ریاست ہے، جس کو پاکستان بننے پر اعتراض ہے وہ بھارت چلا جائے اور جس کو خود پر غیر مسلم مسلط کرنے کی آرزو ہے وہ غیرت سے ڈوب مرے۔ پاکستان میں ۹۷ فیصد مسلمان ہیں جبکہ ۳ فیصد غیر مسلم آباد ہیں۔ غیر مسلموں کے حقوق کا احترام کرنا دین اسلام نے سکھایا ہے۔ اسلام کا کسی مذہب کے ساتھ موزانہ نہیں۔ دہشت گردی، بدعنوانی، غنڈہ گردی کا کسی مخصوص مذہب سے تعلق نہیں مگر پاکستان میں دہشت گردی لانے والے غیر مسلم ہیں۔ مسلمانوں کی مقدس کتاب کو بھی نذر آتش کرنے والے غیر مسلم ہیں۔ پاکستان ایک پُرامن ملک تھا، اسے غیر محفوظ بنانے والے دشمنانِ اسلام ہیں۔ پاکستان میں ہر مذہب کے لوگوں کا احترام کیا جاتا ہے، جہاں تک دہشت گردی کا تعلق ہے تو اس ملک میں سب سے زیادہ مسلمان نوالۂ اجل بن رہے ہیں۔ گولی پر کسی کا مذہب نہیں لکھا ہوتا، ظلم کا نشانہ بلا امتیاز ہوتا ہے۔ گرجا گھروں میں دہشت گردی کے واقعات ہوتے ہیں تو مساجد اور درگاہیں بھی محفوظ نہیں۔ قیامِ پاکستان کے مقاصد کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔ پاکستان کے لئے جدوجہد کا مقصد مسلمانوں کے لئے ایک الگ آزاد ریاست کا حصول تھا۔ ایک ایسی سرزمین جس میں مسلمان اسلام کے احکام کے مطابق حکومت قائم کرسکیں۔ اپنے مذہب پر عمل کرسکیں۔ ہر انسان کو خواہش ہوتی ہے کہ

اس کا اپنا گھر ہو جس میں وہ اپنی مرضی سے زندگی گزار سکے۔ ہمارے بزرگوں نے ہمیں ایک گھر دیا۔ اس گھر کو حاصل کرنے کے لئے ہمارے بزرگوں کو بہت بھاری قیمت ادا کرنا پڑی۔ لاکھوں گھر اجڑ گئے، ہزاروں بیٹیاں بے آبرو ہوگئیں، بے حساب جانیں گئیں، خون کی ندیاں بہادی گئیں، جسم ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے گئے، پھر کہیں جا کر ایک گھر بنا اور اب بنا بنایا گھر پھر انہی لوگوں کے سپرد کر دیں، جن سے آزادی حاصل کی تھی؟ تکبیر نے وزیر اعظم کو باؤلا بنا دیا ہے۔ وہ ایک اسلامی ریاست کو غیر مسلموں کے حوالے کرنا چاہتے ہیں؟ وزیر اعظم کسی غیر مسلم کو ہیڈ آف اسٹیٹ بنانے کی تجویز دینے سے پہلے قبروں مین دفن اپنے بزرگوں سے مشورہ کر لیتے کہ آئینِ پاکستان کی دفعہ (۲) ۴۱ کے تحت کوئی غیر مسلم صدر کا انتخاب لڑنے کا اہل ہی نہیں۔ پاکستان کے مقدر میں زرداری اور یوسف رضا گیلانی لکھ دیئے گئے ہیں تو تقدیر بدلی نہیں جاسکتی، لیکن حکمران پاکستان کا مذہب تبدیل کرنے کی کوشش نہ کریں۔ ہو سکے تو خود کو مسلمان بنانے کی کوشش کریں۔ موصوف کی سوچ کا منہ توڑ جواب دینے کے لئے قرآن و احادیث اور علامہ اقبالؒ کی سوچ فکر سے لاتعداد حوالے پیش کئے جاسکتے ہیں۔ مگر کم عقلوں کے سامنے دین وحکمت کی بات کرنا وقت کا ضیاع ہے۔ موصوف کی تجویز کا جواب علامہ اقبالؒ کے اس شعر میں مل جائے گا:

یا شرع مسلمانی یا دیر کی دربانی
یا نعرۂ مستانہ، کعبہ ہو کہ بُت خانہ

گیلانی صاحب کو ایک راستہ اختیار کرنا چاہئے، سیّدزادے بھی بنتے ہیں اور سیّدوں کی قربانیوں کا مذاق بھی اڑاتے ہیں۔ پاکستان میں اگر غیر مسلموں کو مسائل درپیش ہیں تو مسلمانوں کو بھی غیر مسلم ممالک میں لاتعداد مسائل کا سامنا ہے۔ اللہ کے اولیاء کا دل سمندر کی طرح ہوتا ہے۔ ہر مذہب اور نسل کے لوگوں کو اپنے علم سے سیراب کرتے ہیں مگر اپنا مذہب تبدیل نہیں کرتے اور نہ ہی کسی غیر مسلم یا غیر شرعی حکومت کی حاکمیت قبول کرتے ہیں مگر گیلانیوں کا یہ پُتر گمراہ ہوگیا ہے۔ پاکستان اسلام کے نام پر بنا تھا اس میں دو رائے نہیں ہیں، اس حقیقت پر سب متفق ہیں کہ پاکستان مسلمانوں کے لئے بنا تھا پس اس کا ہیڈ آف اسٹیٹ غیر مسلم کیونکر ہوسکتا ہے؟ غیر مسلموں کے حقوق کا احترام اور غیر مسلم کو ہیڈ آف اسٹیٹ بنانا، دو مختلف باتیں ہیں۔ پاکستان ناچ گانے، کنجر خانے یا غیر مسلموں کی حاکمیت کے لئے حاصل نہیں کیا گیا تھا۔ مدینہ منورہ میں بھی تمام مذاہب کے لوگ آباد تھے مگر خلیفہ ہمیشہ مسلمان ہوتا تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اقلیتوں کے حقوق کا احترام سکھایا مگر کسی غیر مسلم کو مدینہ کا حاکم نہیں بنایا۔ ''مذہب کا ریاست سے کوئی تعلق نہیں ہونا چاہئے۔ اقلیتوں میں سے بھی صدر، وزیر اعظم اور چیف جسٹس ہونا چاہئے۔'' کی تجویز دینے سے پہلے سوچ لینا چاہئے تھا کہ بطور وزیر اعظم کیا کہہ رہے ہیں؟ جناب! اس کے علاوہ بھی بہت کچھ ہونا ''چاہئے''، حکومت کو ملک کی جان چھوڑ دینی چاہئے، کرپشن ختم ہونی چاہئے، وزیر اعظم کو اندر اور صدر کو باہر ہونا چاہئے، غریب ملک کے وزیر اعظم کو مہنگے سوٹ پہنتے ہوئے شرم آنی چاہئے، مہنگائی، لوڈ شیڈنگ، بیروزگاری، دہشت گردی ختم ہونی چاہئے۔ امیر غریب کا تعلیمی نظام ایک ہونا چاہئے۔ سیاست دانوں کو بھی حلال کھانا چاہئے۔ امیروں کو ٹیکس ادا کرنا چاہئے۔ ملک سے بے حیائی اور لاقانونیت کا خاتمہ ہونا چاہئے۔ اقلیتوں کے حقوق کا احترام ہونا چاہئے، غریبوں کی عزت ہونی چاہئے، اسلام کا بول بالا ہونا چاہئے۔

(بشکریہ روزنامہ نوائے وقت کراچی، ۸ / مارچ ۲۰۱۲ء)

حسرت ان غُنچوں پہ ہے جو بن کھلے مرجھا گئے

مولانا حسین احمد شرودی، کوئٹہ بلوچستان

راقم الحروف ۲۰۰۳ء میں '' جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی'' میں زیر تعلیم اپنے بیٹے کو ملنے گیا، یہ اس کے دورۂ حدیث کا سال تھا، عجیب اتفاق یہ کہ جس کمرے میں ان کی رہائش تھی، ۷۵-۱۹۷۶ء میں اسی کمرے میں دورۂ حدیث کے سال میرا قیام تھا۔ میں مولانا حافظ زبیر احمد شرودیؒ (شہید مظلوم) کی بات کررہا ہوں۔

اس بچے کی ولادت ۱۸/اگست ۱۹۸۱ء کو ہوئی۔ بلوچستان کے ہردلعزیز اور معروف عالم دین اور ولی کامل مولانا محمد صدیق شاہؒ ان کے ماموں تھے، اس مناسبت سے جائے ولادت قلات ہے۔ سن شعور کو پہنچنے کے بعد علم کا شوق اسے آگے دوڑاتا رہا۔ ابتدائی تعلیم اپنے مدرسہ جامعہ رشیدیہ کوئٹہ میں حاصل کی، ان کے بڑے بھائی کو حفظ قرآن میں کوئی چھ سات برس لگے۔ اپنا شوق نہ ہونے کی وجہ سے تجربے کے پیش نظر حافظ زبیر احمد کو ہم نے حفظ کی بجائے کتابوں سے جوڑ دیا اور کافیہ تک پہنچتے پہنچتے از خود اُن پر حفظ قرآن کا جذبہ ایسا غالب آیا کہ ہمارے تھامتے نہیں تھم رہا تھا، اساتذہ سے مشورہ کیا تو انہوں نے کہا کتابوں سے راہ فرار کا بہانہ ہے، لیکن مجھے اس کی طلب صادق محسوس ہوئی تو ان کو اجازت دی کہ کتابیں روک کر حفظ قرآن میں لگ جاؤ۔

صرف دو برس میں حفظ مکمل کرلیا، حالانکہ ان دنوں جامعہ رشیدیہ میں شعبہ حفظ کا نظام کافی کمزور تھا اور پھر دوبارہ کتابوں میں جت گیا۔ تجوید القرآن کوئٹہ، مدرسہ علوم شرعیہ کوشک خضدار، احسن العلوم کراچی سے ہوتا ہوا موقوف علیہ اور دورۂ حدیث کے لئے بنوری ٹاؤن کراچی پہنچ گیا۔

پشتون آباد کوئٹہ کا ایک درست راوی ہے کہ جس سال وہ (زبیر) دورۂ حدیث کا طالب علم تھا، ہم کسی کام سے کراچی گئے ہوئے تھے، جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کے ایک بڑے استاذ سے ملاقات تھی تو اس نے جامعہ کے حالات کا تذکرہ کرتے ہوئے بتایا تھا: میں جب تہجد کے لئے اٹھتا ہوں تو یہ (زبیر) مجھ سے پہلے اٹھ چکا ہوتا ہے اور میں اس کو مصروف گریہ وزاری پاتا ہوں۔

دورانِ تعلیم اپنے دادا شیخ القرآن مولانا محمد یعقوب صاحب شرؔ ودیؒ سے دورۂ تفسیر قرآن کریم بھی پڑھا اور اچھے نمبروں سے امتحان پاس کرکے سند لی اور ''جامعہ رشیدیہ'' ہی سے اس دوران سائنس میں میٹرک کیا۔ بعد میں دینی علوم کے ساتھ ساتھ جدید علوم پر محنت جاری رکھی۔ ۲۰۱۰ء میں ایم فل کا مقالہ لکھنے میں مصروف تھے کہ داعی اجل کو لبیک کہنا پڑا۔

دینی علوم سے فراغت کے فوراً بعد جامعہ رشیدیہ کوئٹہ سے بحیثیت مدرس منسلک ہوگئے، جبکہ الحبیب جامع مسجد عبد الستار روڈ کوئٹہ کا منبر خطابت بھی ہم نے ان کے لئے خالی کردیا، تاحیات دونوں قسم کے فرائض بخوبی انجام دیتے رہے۔ اللہ تعالیٰ نے عربی کا بہترین ذوق ان کو بخشا تھا، صرف ونحو میں کوئی نمایاں مہارت نہ ہونے کے باوجود فی البدیہ عربی بولنے پر قادر تھے اور نوجوان علماء کا ایک اچھا خاصہ طبقہ ان کی اس خوبی سے استفادہ کے لئے ساتھ رہتا تھا۔ واضح رہے کہ ہدایۃ النحو والے سال کوئٹہ کے ایک مشہور مدرس کے حلقۂ درس میں کچھ دن صرف ونحو سیکھنے کے لئے بیٹھنے کے بعد جلد ہی علیحدہ ہوگئے تھے کہ مولوی صاحب موصوف صرف قوانین پڑھاتے ہیں، ان قوانین کو روبہ عمل نہیں لاتے، اپنی عربی ان کی درست نہیں تو اس صرف ونحو کا کیا فائدہ؟۔

اور بات ہے بھی ایسی کہ دس دس برس تک صرف ونحو میں بال کی کھال تو مدارس میں اتاری جاتی ہے، مگر نہ تو استاد کو عربی لکھنا اور بولنا آتا ہے، نہ طلباؑ کو۔ حضرت بنوریؒ کا ایک قدیم مضمون چند سال پیشتر نظر نواز بنا، انہوں نے فرمایا تھا: عربی ادب پر مختلف ادوار گذرے ہیں، صحابہ کرامؓ کے زمانے میں یہ زبان گفتگو اور واضح بات چیت کے لئے ہوتی تھی، اس میں کوئی تصنع وتکلف نہیں تھا، بعد میں متنبّی اور بدیع الزمان والوں کا دور آیا تو اس میں تک بندی اور دیگر باریک بینیوں پر اتنا زور صرف ہونے لگا کہ اصل شئے پس پشت چلی گئی، بقول حضرتؒ کے اب بھی ضرورت ہے کہ اس کو روزمرہ کی بول چال کے لئے استعمال میں لایا جائے۔

بات کسی اور طرف نکل رہی ہے، تذکرہ حافظ زبیر احمد شرؔ ودی شہیدؒ کا ہورہا تھا، یہ ''گوراچٹا جوان''، محض اپنے علم وعمل اور سیرت کی وجہ سے احباب کے لئے باعث کشش نہ تھا، بلکہ

اللہ تعالیٰ نے اُسے ظاہری حسن سے بھی نوازا تھا، مثالی تحمل و بردباری کی وجہ سے ہمہ وقت مسکرانا ان کی عادت تھی اور پھر فیاضی اور سخاوت نے ان کی شخصیت کو چار چاند لگائے تھے، مسافروں کو کھانا کھلانے سے ان کو بڑی خوشی ہوتی، ایسا لگتا ہے یہ خصلت ان میں اپنے نامدار ماموں حضرت مولانا محمد صدیق شاہؒ یا ہمارے دادا مولانا حاجی فتح محمدؒ کی طرف سے منتقل ہوئی تھی، خاندان کے یہ دو بزرگ اس میدان کے سباق تھے یا پھر ہوسکتا ہے کہ مادرِعلمی'' جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی'' کی تربیت کا اثر ہو، جس کے بانی محدث العصر حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ کی فیاضی اپنی نظیر آپ تھی، جبکہ حضرتؒ پر اللہ کی مہربانی سے روپیہ برستا بھی تھا''**وازهد فيما عند الناس يحبك الناس**'' والا منظر ہوتا تھا۔

حافظ زبیر احمد شہیدؒ کو قرآن پاک کے ساتھ عشق کے درجے میں محبت تھی، صرف رمضانی حافظ نہیں تھے، سال بھر مزے لے لے کر تلاوت میں محو رہتے اور بطور خاص نوافل میں نماز اور تلاوت دونوں سے لطف اندوز ہوتے، جس سے ان کی حلاوت ایمانی کا اندازہ ہوتا، سچ پوچھئے تو ان کی نماز مجھ جیسے بڈھے کے لئے باعث رشک ہوتی۔ اس کا ظاہر، باطن کا غماز لگتا تھا، اردگرد کے ماحول سے کٹ کر ہمہ تن نماز کی طرف متوجہ رہتا، ہیئت ایسی ہوتی کہ بندے کو بھی اس کے خشوع پر پیار آتا اور جس کے سامنے اس نے سجدہ ریز ہونا ہوتا، وہ تو ویسے بھی ارحم الراحمین ہے، اس کی رحمت کو تو بہانہ چاہئے، نہ کہ قیمت اور بہا۔ اور یہ بھی عجیب اتفاق ہے کہ ولادت کی طرح وفات اور شہادت بھی ۱۸ر اگست ۲۰۱۱ء کو ہے، اس تحریر کی ابتداء میں عرض کیا جاچکا ہے کہ ان کی ولادت ۱۸ر اگست ۱۹۸۱ء کو ہوئی تھی، اس طرح ان کی عمر ٹھیک تیس برس بنتی ہے۔

۱۷ر رمضان المبارک ۱۴۳۲ھ شب جمعہ (یوم بدر بھی ہے) کو حافظ زبیر احمدؒ گھر پہ افطاری کرکے تراویح پڑھنے اپنی مسجد (الحبیب) موٹر سائیکل پہ جارہا تھا، (قرین قیاس یہی ہے کہ اس وقت بھی مصروف تلاوت ہوں گے) نامعلوم درندوں نے ٹی ٹی پستول سے فائر کرکے ان کے سینے کو چھلنی کردیا اور موٹر سائیکلوں پر فرار ہوگئے۔ اور موٹر سائیکل سواروں کا یہ پہلا شکار نہیں، کوئٹہ شہر میں علماء کرام بڑی تعداد میں ان خونخواروں کا ہدف بنتے رہے ہیں۔ **إنا لله وإنا إليه راجعون.**

حافظ زبیر احمد شہیدؒ کا نہ تو عملی مروجہ سیاست سے کوئی تعلق تھا، نہ وہ فرقہ واریت میں ملوث تھے، ایک نہایت بے ضرر، مرنجان مرنج اور اپنے علمی مشاغل میں منہمک رہنے والے آدمی تھے، ہمیں سمجھ ہی نہیں آرہا کہ کن شقی القلب لوگوں نے کس بنیاد پر اپنی عاقبت خراب کی؟ کہا جاتا ہے کہ حضرت

مرزا مظہر جانِ جاناںؒ کے مزار پر ان کا اپنا یہ شعر درج ہے:

بہ لوح تربت من یافتند از غیب تحریرے
کہ ایں مقتول را جز بے گناہی نیست تقصیرے

حافظ زبیر احمد شہیدؒ کے لئے ''بے گناہی'' کے سوا کوئی جرم ہمیں نظر نہیں آ رہا۔ امام احمدؒ کے متعلق کہیں نظر سے گذرا کہ اپنے کسی مخالف سے فرمایا: ہمارا اور آپ کا فیصلہ جنازے کے شرکاء کی تعداد سے ہوگا، چنانچہ امام صاحبؒ کے جنازے میں شرکاء کی تعداد لاکھوں میں تھی۔

حافظ زبیر مرحومؒ کے جنازے کے شرکاء کے لئے نہ صرف جامعہ رشیدیہ، بلکہ اسماعیل کالونی کا دامن تنگ تر ہوتا جارہا تھا، چنانچہ موقع پر ہی جنازہ گاہ کی تبدیلی کا فیصلہ ہوا اور گوالمنڈی چوک کے قریب ایک کھلے میدان میں جنازہ پڑھا گیا۔ پیر طریقت مولانا عبدالہادی کردگاپی مدظلہٗ نے امامت کرائی۔

مرحوم کے پسماندگان میں بیوہ، دو بیٹے اور ایک بیٹی شامل ہیں، بچوں کے نام معاذ، اور حمزہ ہیں۔ اظہارِ تعزیت کے لئے ملک بھر سے نامور علماء کرام تشریف لائے، جن میں قائد جمعیت حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب شامل تھے۔ وزیر اعلیٰ بلوچستان نواب محمد اسلم رئیسانی، نواب زادہ طلال بگٹی اور دیگر قبائلی شخصیات کے علاوہ سینئر صوبائی وزیر سمیت اکثر صوبائی وزراء اور بلوچستان اسمبلی کے اسپیکر سردار محمد اسلم بھوتانی اور ڈپٹی اسپیکر حاجی مطیع اللہ آغا بھی تشریف لائے، تمام سیاسی جماعتوں کے وفود بھی اظہارِ ہمدردی کے لئے پہنچے۔

اللہ تعالیٰ ان سب کو جزائے خیر عطا فرمائے، آمین۔ تاہم یہ سوال اپنی جگہ برقرار ہے کہ حکمران صرف تعزیت اور ہمدردی کرکے اپنے فرض سے سبکدوش ہوسکتے ہیں؟ یا ان کے فرائض میں یہ بھی شامل ہے کہ وہ شہداء کے قاتلوں کو عبرتناک انجام تک پہنچائیں، تاکہ آئندہ کسی کو اس قسم کی ''درندگی'' کی جرأت نہ ہوسکے۔

☆☆....☆☆

پامسٹری (ہاتھوں کی لکیریں دیکھنے) کا حکم؟

مولوی محمد عبید الرحمن

کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ کے بارہ میں کہ:

میں سرکاری ملازم ہوں اور شوقیہ طور پر پامسٹری یعنی ہاتھ کی لکیریں دیکھتا ہوں، کوئی معاوضہ کسی صورت میں نہیں لیتا۔ ستاروں وغیرہ یا دیگر علوم کا اس سے کوئی تعلق نہیں۔ میرا کامل ایمان ہے کہ زندگی، موت، عزت، ذلت، غمی، خوشی، رزق، تنگی اور صحت و دیگر تمام انسانی معاملات میں کمی بیشی صرف اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے اور ان میں کمی بیشی کا یقینی علم بھی صرف اللہ تعالیٰ کو ہی ہے۔ نیز یہ کہ پامسٹری علم غیب نہیں، بلکہ ہاتھ پر موجود لکیریں ان کی طرف اشارہ کرتی ہیں، جیسے کہ روڈ پر ٹریفک سگنل ہوتے ہیں۔ یہ علم نفسیات کا حصہ ہے۔ اگر میں کسی کو کسی کام کے ہونے یا نہ ہونے کے متعلق بتاتا ہوں تو یہ کہتا ہوں کہ: انشاء اللہ ایسا ہوگا یا اگر اللہ نے چاہا تو ایسا ہوسکتا ہے یا ایسا ہونے کے امکان ہیں، وغیرہ۔ میں کبھی کسی کو مایوس نہیں کرتا اور میرا خیال ہے کہ میں دکھی اور مایوس لوگوں اور بعض نادان لوگوں کو درست سمت میں لے جا رہا ہوں اور لوگوں کی اصلاح کے لئے اس علم کو استعمال کرتا ہوں۔ میں نماز، روزہ اور دیگر شرعی احکام پر مقدور بھر عمل کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔ معلوم کرنا ہے کہ کیا:

۱...... کیا ہاتھ دیکھنا اور ہاتھ دکھانا گناہ ہے؟ اس سے عمل صالح اور نماز وغیرہ نہیں ہوتی؟ جیسا کہ اکثر لوگ کہتے ہیں۔

۲...... کیا یہ عمل فسق ہے؟۔

۳...... کیا اس علم کو انسانیت کی بھلائی اور بہتری کے لئے استعمال کیا جا سکتا ہے؟۔

۴...... کیا ایک مسلمان ایسا کرسکتا ہے؟۔

۵...... کیا علم جفر اور علم الاعداد وغیرہ بھی ایسے ہی علم ہیں؟۔

۶...... کیا حلال جانوروں کی اوجڑی، گردے اور کپورے وغیرہ اور حلال پرندوں (مرغ وغیرہ) کے پوٹے کھانے جائز یا حلال ہیں؟۔ ڈاکٹر ذاکر نائیک صاحب کے ایک بیان کے مطابق یہ اجزاء حرام ہیں، کیونکہ ان میں جانور کا پیشاب ہوتا ہے۔

مستفتی: نور عالم ضیاء، ذاتی معاون وزیر اعظم معائنہ کمیشن، بلاک نمبر:۴، مظفر آباد، آزاد کشمیر

الجواب حامداً ومصلیاً

(۱،۲،۳،۴)...... ہاتھ دیکھنا، دکھانا اور اس عمل کے ذریعے مستقبل کی خبریں بتانا اصطلاحی اعتبار سے ''کہانت'' کے زمرے میں آتا ہے، جس کے بارے میں احادیث مبارکہ اور کتب فقہ میں صراحت کے ساتھ یہ حکم موجود ہے کہ ایسا عمل کرنا اور ایسے شخص کے پاس صحیح عقیدے اور نیک جذبے کے ساتھ جانا بھی شرعاً ناجائز ہے، ایسے لوگوں کے بارے میں علماء نے اندیشۂ کفر ظاہر کیا ہے۔

اس لئے مذکورہ عمل ترک کیا جائے، واقعۃً ایسے شخص کی عبادات اور اعمال صالحہ قبول نہیں ہوتے، حدیث شریف کے مطابق اگر کوئی صحیح عقیدے کے باوجود ازروئے امتحان بھی کسی کاہن کے پاس جائے تو اس کی ۴۰ دن تک عبادات قبول نہیں ہوتیں۔

الغرض یہ عمل صرف فسق ہی نہیں، بلکہ اس سے بڑھ کر کفر تک پہنچنے کا ذریعہ بھی بن سکتا ہے، اس لئے ناجائز ہے، الغرض اس عمل میں مسلمانوں کے لئے دینی اعتبار سے کوئی بہتری اور بھلائی نہیں ہے، کوئی مسلمان اس پر عمل نہ کرے، اور نہ اس کو سچ یا قابل التفات سمجھے، حدیث شریف میں ہے:

''حدثنا محمد بن المثنی العنزی...... عن بعض أزواج النبی ﷺ عن النبی ﷺ قال: من أتیٰ عرافاً فسأله عن شئ لم تقبل له صلوٰة أربعین لیلة''۔ (صحیح مسلم: ج:۲،ص:۲۳۳، باب تحریم الکہانۃ، ط: قدیمی)

وفی شرح المسلم للنووی علیٰ هامش الصحیح لمسلم:

''اما العرّاف فقد سبق بیانه وأنه من جملة أنواع الکهّان، قال الخطابی وغیرهٗ: العرّاف هو الذی یتعاطی معرفة مکان المسروق ومکان الضالة ونحوهما''۔ (ص:۲۳۳، ج:۲، باب تحریم الکهانة واتیان الکهان، ط: قدیمی)

وفیه أیضاً:

''ومن هذا الفن العرافة وصاحبها عرّاف وهو الذی یستدل علی الأمور بأسباب ومقدمات یدعی معرفتها بها وقد یعتضد بعض هذا الفن ببعض

فی ذلک بالزجر والطرق والنجوم وأسباب معتادة، وهذه الأضرب كلها تسمىٰ كهانة وقد أكذبهم كلهم الشرع ونهىٰ عن تصديقهم وإتيانهم، والله اعلم''۔(ص:۲۳۲،ج:۲،باب تحریم الکهانة،ط:قدیمی)

فتاویٰ شامی میں ہے:

''(قوله: الكاهن، قيل كالساحر) في الحديث:''من أتىٰ كاهنًا أو عرّافاً فصدّقه بما يقول فقد كفر بما أنزل على محمد ﷺ'' أخرجه أصحاب السنن الأربعة...... والعرّاف، المنجم، وقال الخطابي: هو الذى يتعاطى معرفة مكان المسروق والضالة ونحوهما ...... والكل مذموم شرعاً، محكوم عليهم وعلى مصدّقهم بالكفر''.

(ص: ۲۴۲،ج: ۴، باب المرتد، مطلب في الكاهن والعرّاف،ط: قديمى)

۵......''علم جفر'' بھی ممنوع اور حرام علوم میں شامل ہے، اسے سیکھنا، سکھانا اور اس پر اعتماد کرنا سب خلاف شرع ہیں۔

''فتاویٰ شامی'' میں ہے:

''وحراما'' وهو علم الفلسفة والشعبذة والتنجيم والرمل الخ (وقوله: والرمل) هو علم بضروب أشكال من الخطوط والنقط بقواعد معلومة تخرج حروفاً وتجمع ويستخرج جملة دالة على عواقب الأمور، وقد علمت أنه حرام قطعاً وأصله لإدريس عليه السلام أى فهو شريعة منسوخة، وفي فتاوىٰ ابن حجر أن تعلمه وتعليمه حرام شديد التحريم لما فيه من ايهام العوام أن فاعله يشارك الله تعالىٰ في غيبه''۔

(مقدمہ شامی،ص:۴۳، ۴۴،ج:۱،مطلب في التنجيم والرمل،ط:سعید)

البتہ''علم الاعداد'' کے بارے میں یہ تفصیل ہے کہ اگر مذکورہ علم ناجائز مقاصد اور احوال غیب کی معرفت ودریافت کے لئے سیکھا، سکھایا اور اس پر اعتماد کیا جائے تو یہ ناجائز ہے، کیونکہ اس علم کو عام طور پر وہی لوگ سیکھتے، سکھاتے ہیں جو کسی بھی وجہ اور مقصد کے تحت اپنی بات اور اپنا عمل الفاظ میں نقل نہیں کرسکتے اور ایسے خفیہ مقاصد عموماً ناجائز ہی ہوتے ہیں۔

ہاں صرف حروف کے اعداد نکال کر تاریخ لکھنا یا مقدس الفاظ کو بے حرمتی سے بچانے کے لئے اعداد میں لکھنا، یہ مباح عمل ہے، صحیح العقیدہ لوگ صحیح مقاصد کے تحت ایسا کرسکتے ہیں۔

۶......حلال جانوروں کی اوجڑی اور گردے نیز حلال پرندوں کے پوٹے کھانا جائز ہے،

یہ جانور کا پیشاب یا فضلہ نہیں ہوتے، بلکہ زیادہ سے زیادہ پیشاب اور فضلے کے محل ومقام شمار ہوتے ہیں، جنہیں صاف کر کے استعمال کرنا جائز ہے۔

البتہ کسی بھی حلال جانور کے ''کپورے'' کھانا راجح قول کے مطابق جائز نہیں، فقہاً کرام نے حیوان کے کپوروں کو حلال جانور کی ان سات اشیاء میں شمار کیا ہے، جو حرام ہیں۔جیسا کہ ''فتاویٰ شامی'' میں ہے:

''(تتمة) ما يحرم أكله من أجزاء الحيوان المأكول سبعة: الدم المسفوح والذكر والأنثيان والقبل والغدة والمثانة والمرارة بدائع''۔

(ص:۳۱۱،ج:۶،آخر کتاب الذبائح،ط:سعید)

''تنوير الأبصار مع الدر المختار''میں ہے:

''(كره تحريما من الشاة سبع الحياء والخصية والغدة والمثانة والمرارة والدم المسفوح والذكر) للأثر الوارد فى كراهة ذلك الخ''۔ (ص:۷۴۹،ج:۶،مسائل شتی قبیل کتاب الفرائض،ط:سعید)

''بدائع الصنائع''میں ہے:

''(فصل) وأما بيان ما يحرم أكله من أجزاء الحيوان المأكول، فالذى يحرم أكله منه سبعة: الدم المسفوح والذكر والأنثيان والقبل والغدة والمثانة والمرارة لقوله عزّشانه ''وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَآئِثَ'' وهذه الاشياء السبعة لما تستخبثه الطباع السليمة فكانت محرمة وروى عن مجاهدؒ أنه قال: كره رسول الله ﷺ من الشاة الذكر والأنثيين والقبل والغدة والمرارة والمثانة والدم، فالمراد منه كراهة التحريم بدليل أنه جمع بين الأشياء الستة وبين الدم فى الكراهة والدم المسفوح محرم الخ.....''۔

(ص:۶۱،ج:۵،كتاب الذبائح والصيود، فصل وأما بيان ما يحرم أكله، الخ،ط:سعيد)

الجواب صحیح	الجواب صحیح	کتبہ
محمد عبدالمجید دین پوری	رفیق احمد	محمد عبیدالرحمٰن
		متخصصِ فقہِ اسلامی

جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن

نقد و نظر

تبصرے کے لئے ہر کتاب کے دو نسخوں کا آنا ضروری ہے

ادارہ

فوائد جامعہ شرح عجالۂ نافعہ:

مولانا ڈاکٹر محمد عبدالحلیم چشتی صاحب، صفحات: ۱۷۶، قیمت: درج نہیں، ناشر: مکتبۃ الکوثر بلاک: بی، سیکٹر: ۱۱، مکان نمبر: ۱۲۱ جامعۃ الرشید، احسن آباد، کراچی۔

حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز دہلوی نور اللہ مرقدہ علم تفسیر، علم حدیث، فقہ، سیرت اور تاریخ میں شہرۂ آفاق تھے۔ مرحوم اپنے علم وفضل، آداب، ذکاوت، فہم وفراست اور سرعت حافظہ کی وجہ سے عالم میں یگانۂ روزگار علماء میں سے تھے۔ پندرہ سال کی عمر میں درس وتدریس میں مصروف ہوگئے۔ عجالۂ نافعہ فارسی زبان میں آپ کا مشہور ومعروف رسالہ ہے جو آپ نے اپنے ایک شاگرد مولانا قمرالدین حسینیؒ کے کہنے پر تصنیف فرمایا۔ اس رسالہ میں آپ نے فن حدیث کی بہت ہی ضروری معلومات جمع کردی ہیں، یہ رسالہ کئی بار چھپا، اور بار بار اس میں صحت کا اہتمام بھی کیا گیا، لیکن پھر بھی اس میں کچھ اغلاط رہ گئی تھیں۔ حضرت مولانا محمد عبدالحلیم چشتی صاحب دامت برکاتہم العالیہ ''رئیس قسم تخصص علوم حدیث جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن'' نے بڑی عرق ریزی اور محنت شاقہ سے اس کی تصحیح کا اہتمام کیا۔ آپ نے اس کتاب میں عجالۂ نافعہ بزبان فارسی کو نئی کمپوزنگ کرا کر اس میں شامل کیا، پھر اس کا اردو ترجمہ دیا اور جا بجا مفید باتوں کا بھی اضافہ کیا۔ آپ نے اس کے علاوہ شاہ عبدالعزیزؒ کے حالات، شاہ صاحبؒ کے شاگردوں کی خدمات، خانوادۂ شاہی سے وابستہ محدثین کی منفرد خصوصیات، شاہ صاحبؒ کی تصنیفات، عجالۂ نافعہ کا تحقیقاتی جائزہ، سند کا آغاز، سند کی پابندی واہتمام، سند کے فوائد، وغیرہ مضامین بھی اس میں شامل کئے ہیں۔ فوائد جامعہ کا ٹائیٹل پر یوں تعارف کرایا گیا ہے:

> ''علم حدیث کی گوناگوں نادر اور اہم معلومات، حالات شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ، راویانِ سندِ شاہ صاحب کا تذکرہ، ۱۰۷ راویانِ صحاح ستہ کے ناموں اور

نسبتوں کا ضبط، کتب حدیث کی انواع واقسام اور طبقات کا بیان، سند کا آغاز، پابندی اور التزام، مشاہیر فقہاً، محدثین اوران کی تالیفات کا مختصر تعارف وتذکرہ، عجالۂ نافعہ کی شرح جس کا ہر مقالہ دلچسپ اور گنجینۂ تحقیقات ہے‘‘۔

یہ کتاب علم حدیث سے وابستہ علماء، طلبہ، اہل علم اور صاحب ذوق حضرات کے لئے انمول تحفہ اور علمی سوغات ہے۔ کتاب کا کاغذ، ٹائیٹل اور جلد بہت ہی عمدہ ہے۔

نجومِ ہدایت:

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ، توضیح وتشریح: حضرت مولانا قاری محمد طیب قاسمی، صفحات: ۴۴، قیمت: ۴۰ روپے، ناشر مکتبہ اشاعتِ اسلام، کراچی، مولانا خان محمد صاحب، موبائل نمبر: ۰۳۲۲-۲۳۰۸۹۳۱

انجمن اشاعتِ اسلام نے اکابرین مسلکِ حقہ کی وہ کتابیں، رسائل اور مکتوبات منظرِ عام پر لانے کا تہیہ کیا ہوا ہے، جو کافی عرصہ سے نہیں چھپے، چنانچہ مذکورہ رسالہ حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کا ایک پُرانا مکتوب ہے، جس میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ صحابہ کرامؓ معیارِ حق ہیں اور اس کی تشریح وتوضیح حضرت مولانا قاری محمد طیب قاسمیؒ نے فرمائی ہے۔ کاغذ اور طباعت عمدہ ہے اور رسالہ پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے۔

معارف الایمان:

مولانا محمد الیاس عباسی غفوری، صفحات: ۴۰۰، قیمت: درج نہیں، ملنے کا پتہ: مکتبۂ غوریہ حقانیہ، غفوری مسجد سولجر بازار، کراچی

زیرِتبصرہ کتاب ’’معارف الایمان‘‘ امام بیہقیؒ کی مشہور زمانہ کتاب ’’شعب الایمان‘‘ کی تلخیص وترجمہ ہے، جس میں یہ بات واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ: حقیقی مؤمن کون ہے؟ ایمان کسے کہتے ہیں؟ ایمان کے کتنے شعبے ہیں؟ اور قرآن وحدیث کی روشنی میں ان کی کیا تفصیل ہے؟۔

مولانا محمد الیاس عباسی غفوری مدظلہ نے عمدہ سلیقے سے جواہر اور موتیوں کی یہ مالا تیار کی ہے، جو ہر کلمہ گو مسلمان اور ہر گھر کی بنیادی ضرورت ہے۔ کتاب کا کاغذ، طباعت اور جلد خوبصورت اور معیاری ہے۔ اللہ تعالیٰ موصوف کی اس محنت کو قبول فرمائیں اور قارئین بینات کی ہدایت وراہنمائی کا اسے ذریعہ بنائیں، آمین بجاہ النبی الأمی الکریم۔

انوارِ شمسیہ:

شیخ الحدیث حضرت مولانا شمس الہادی شاہ منصوریؒ، صفحات: ۱۵۰، قیمت: درج نہیں، زیرِ اہتمام: خانقاہ نقشبندیہ شمسیہ شاہ منصور صوابی۔

ہمارے اکابر کو اللہ تعالیٰ نے جامعیت کی صفت سے خصوصی طور پر نوازا ہے، جہاں وہ ایک طرف تعلیم وتعلم اور درس وتدریس سے وابستہ ہوتے ہیں، وہاں وہ تزکیۂ نفس اور سلوک واحسان کی شاہراہ کے راہ رو بھی ہوتے ہیں، انہیں اکابر میں سے ایک شیخ الحدیث حضرت مولانا شمس الہادی شاہ منصوریؒ بھی تھے، جنہوں نے اپنی پوری زندگی مسجد، مدرسہ اور خانقاہ کے معمولات میں گزاردی۔ آپ کے مسترشدین اور متعلقین حضرات نے حضرت کے ملفوظات، بیانات، معمولات اور مجربات کو جمع کرکے عوام الناس تک پہنچانے کی سعی کی ہے۔ امید ہے کہ اس کتاب کی قدر افزائی کی جائے گی۔

تجلیاتِ شمسیہ:

شیخ الحدیث حضرت مولانا شمس الہادی شاہ منصوریؒ، صفحات: ۱۰۴، قیمت: درج نہیں، زیرِ اہتمام: خانقاہ نقشبندیہ شمسیہ شاہ منصور صوابی۔

زیرِ تبصرہ کتاب میں حضرت مولانا شمس الہادیؒ کے چند مواعظ: اعتدال، اور اتباع سلف صالحین، فکرِ آخرت، صاحب عزت لوگ، حیاتِ اخروی، اور حیاتِ دنیوی کی حقیقت، اسلام اور میانہ روی، زندگی کی حقیقت، ایمان کی روشنی، محبت کا راز، بدگمانی ایک روحانی بیماری اور انسان کی شرافت علم وحی سے ہے اور آخر میں چند ملفوظات کو جمع کیا گیا ہے۔ کتاب کا کاغذ، طباعت اور کمپوزنگ عمدہ ہے۔

پیارے نبی ﷺ کی پیاری مسکراہٹیں:

تحقیق وترتیب: پروفیسر ڈاکٹر محمد مشتاق کلوٹا، صفحات: ۱۶۳، عام قیمت: ۲۶۰ روپے، ناشر: زمزم پبلشرز، شاہ زیب سینٹر نزد مقدس مسجد، اردو بازار، کراچی۔

اس کتاب: ''پیارے نبی ﷺ کی پیاری مسکراہٹیں'' میں فاضل مؤلف نے نبی کریم ﷺ کی ان احادیث کو یکجا کرنے کی کوشش کی ہے جن میں نبی کریم ﷺ کے تبسم اور مسکرانے کا ذکر ہے، یہ کتاب جہاں بچوں اور نوجوانوں کے لئے مفید ہے، اس سے کہیں زیادہ بڑوں اور بزرگوں کے لئے بھی مفید ہے۔ کیا اچھا ہوتا کہ مؤلف موصوف ہر حدیث اور ہر واقعہ کے تحت تخریج کا اہتمام بھی کرتے تو یہ کتاب اور زیادہ قابل اعتماد اور قابل استناد کہلاتی۔ امید ہے کہ اگلے ایڈیشن میں اس کا اہتمام کیا جائے گا۔ بہرحال کتاب قابل قدر ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے مؤلف، ناشر اور جملہ معاونین کو جزائے خیر سے نوازیں۔

پیارے رسول اللہ ﷺ کے پیارے اخلاق:

تحقیق وترتیب: پروفیسر ڈاکٹر محمد مشتاق کلوٹا، صفحات: ۲۱۱، عام قیمت: ۳۰۰ روپے، ناشر: زمزم پبلشرز، شاہ زیب سینٹر نزد مقدس مسجد، اردو بازار، کراچی۔

حضور ﷺ کا ارشاد ہے: ''بعثت لأتمم مکارم الأخلاق''۔ مجھے مکارم اخلاق کی تکمیل

کے لئے بھیجا گیا ہے۔ سیرت نگاروں نے تاریخ کے ہر دور میں آپ ﷺ کے اخلاق کریمانہ اور شمائل ومحامد کا تذکرہ کرکے آپ ﷺ کے جلال و جمال کو آشکارا کرنے کا فریضہ انجام دیا۔ دینی تعلیم وتربیت اور اخلاق حسنہ کی ترویج واشاعت کے لئے حضور ﷺ کے اخلاق عالیہ کو ڈھالنا اور محور زندگی بنانا ایک مؤمن کے ایمان کے لئے اولین فریضہ ہے۔ مؤلف موصوف نے اس کتاب میں انتہائی اختصار، جامعیت اور پراثر انداز میں حضور ﷺ کے اخلاق کریمانہ کا تذکرہ عام فہم اسلوب میں کیا ہے۔ کتاب میں بعض مقامات پر پروف ریڈنگ کی غلطیاں رہ گئی ہیں۔ امید ہے کہ اگلے ایڈیشن میں ان کا ازالہ کیا جائے گا۔ کتاب ہر گھر اور لائبریری کی بنیادی ضرورت ہے۔

مقام درود شریف:

مولانا محمد عامر عبدالعزیز، صفحات: ۱۲۵، عام قیمت: ۲۵۰ روپے، طابع: زمزم پبلشرز، شاہ زیب سینٹرنز د مقدس مسجد، اردو بازار، کراچی۔

اس کتاب میں درود شریف کے فضائل، آداب، مقام، اوقات، حکایات، انوارات و برکات اور درود شریف کا حکم بڑے نفیس اور دلنشین انداز میں تحریر کیا گیا ہے۔ امید ہے کہ اس کتاب کی قدر افزائی کی جائے گی۔

محمد منصور الزمان صدیقی:

مولانا عبدالقیوم حقانی، صفحات: ۳۶۸، قیمت: درج نہیں، ناشر: القاسم اکیڈمی، جامعہ ابوہریرہؓ، خالق آباد، نوشہرہ۔

جناب الحاج منصور الزمان صدیقی زیدت مکارمہم حلقۂ اہل علم میں ایک جانی پہچانی شخصیت ہیں۔ علم، اہل علم اور مدارس سے آپ کو خصوصی تعلق اور محبت ہے، آپ کی ساری زندگی علوم دینیہ کی ترویج واشاعت اور رفاہی کاموں میں گزری ہے۔ حضرت مولانا عبدالقیوم حقانی دامت برکاتہم نے ''تذکرہ وسوانح اور آثار وافکار محمد منصور الزمان صدیقی'' کے نام سے یہ کتاب مرتب کی ہے۔ کتاب کے ٹائیٹل پر اس کا تعارف یوں کرایا گیا ہے:

> ''علمی ودینی، قومی، تبلیغی واصلاحی، ادبی واشاعتی اور رفاہی خدمات کے حوالے سے ایک بے نام اور گمنام بزرگ کارکن کی سبق آموز داستانِ حیات، جماعتی، تحریکی، تنظیمی اور اصلاحی اداروں سے وابستہ کارکنوں اور عام افراد کے لئے ایک کامیاب نمونۂ عمل''۔

علمی وعملی کاموں سے وابستہ حضرات کے لئے یہ کتاب ایک علمی راہنما ہے۔

طبی کورسز

آج بے شمار ڈاکٹرز، حکماء اور مختلف ادویہ ساز ادارے مختلف طبی کورسز مشتہر کر رہے ہیں، لیکن استعمال کرنے پر یا تو مرض وقتی طور پر دب جاتا ہے، یا مرض نہ صرف پہلے سے بڑھ جاتا ہے، بلکہ ساتھ مزید نئی علامات بھی واضح ہو جاتی ہیں، چنانچہ میں نے اپنے ۴۰ سالہ طبی کیریئر میں لاکھوں مریضوں پر آزمانے کے بعد ۱۰۰ فیصد کامیاب طبی کورسز تیار کئے ہیں اور ساتھ ہی ان چار چیزوں کی گارنٹی دیتا ہوں: ان میں کوئی نشہ آور دوائی نہیں ہے، ان میں کوئی زہریلی دوائی نہیں ہے، ان میں کوئی کشتہ شدہ دوائی نہیں ہے، ان میں کوئی ایلو پیتھک دوائی نہیں ہے۔ جس لیبارٹری سے چاہیں چیک کروالیں۔

میرا طبی پس منظر یہ ہے کہ میں فاضل الطب والجراحت رجسٹرڈ درجہ اول ہوں، دو ایوارڈ ایک گولڈ میڈل لے چکا ہوں، طبیہ کالج کا سابقہ لیکچرار ہوں۔ نظریۂ مفرد اعضاء کے تحت چالیس سالہ تجربہ ہے۔ ادویہ ساز اداروں کا ناظم اعلیٰ اور مختلف مطبوں اور مختلف اجتماعات پر بطور حکیم لاکھوں مریضوں کا علاج کر چکا ہوں۔ ہمارے پندرہ روزہ کورسز کی قیمتیں درج ذیل ہیں۔

۱۔ دبلاپن ۱۰۰۰	۷۔ ہائی بلڈ پریشر ۲۰۰۰	۱۳۔ سوزاک ۲۰۰۰	۱۹۔ کیرا ۳۰۰۰	۲۵۔ یرقان ۵۰۰۰
۲۔ موٹاپا ۱۰۰۰	۸۔ شوگر ۱۰۰۰	۱۴۔ برص ۳۰۰۰	۲۰۔ بواسیر ۳۰۰۰	۲۶۔ جنون ۵۰۰۰
۳۔ احتباس الطمث ۲۰۰۰	۹۔ کثرت الطمث ۱۰۰۰	۱۵۔ عسرت الطمث ۱۰۰۰	۲۱۔ بےاولادی زنانہ ۲۰۰۰	۲۷۔ بےاولادی مردانہ ۲۰۰۰
۴۔ اٹھرا ۳۰۰۰	۱۰۔ السر ۲۰۰۰	۱۱۶۔ رسولیاں ۳۰۰۰	۱۲۲اعصابی کمزوری ۵۰۰۰	۲۸۔ کمی سپرم ۱۰۰۰۰
۵۔ پتھری ۱۰۰۰	۱۱۔ دق الطفال ۱۰۰۰	۱۷۔ رعشہ ۳۰۰۰	۲۳۔ اوجاعی ۱۰۰۰	۲۹۔ لیکوریا ۱۰۰۰
۶۔ دمہ ۱۰۰۰	۱۲۔ تبخیر معدہ ۳۰۰۰	۱۸۔ اسقاطِ حمل ۲۰۰۰	۲۴۔ تیزابیت ۳۰۰۰	۳۰۔ تپ دق ۳۰۰۰

نوٹ:

(۱) دوائی یا کورس بذریعہ ڈاک منگوانے کے لئے رقم پہلے بھیجیں۔
(۲) ملاقات کرنے کے لئے فون پر پہلے وقت لے لیں

الائیڈ بینک اکاؤنٹ نمبر: ۰۴۷۹-۰۱-۲۰۰-۱۷۷۱-۷

شناختی کارڈ نمبر: ۳۵۱۰۳-۱۴۶۶۸۷۵-۳

حکیم حاجی عبدالکریم بھٹی
لاہور ملتان روڈ، حبیب آباد ضلع قصور۔
فون: ۰۳۴۵-۷۵۴۵۱۱۹، ۰۳۱۳-۷۵۴۵۱۱۹

مجلس صیانۃ المسلمین پاکستان کا پچیسواں 25 سالانہ

سہ روزہ تبلیغی و اصلاحی اجتماع

6 جمعہ 7 ہفتہ 8 اتوار اپریل 2012 ان شاء اللہ

جامعہ صیانۃ العلوم
گلشن اشرف اسلام نگر سندر ملتان روڈ لاہور

7-اپریل بروز ہفتہ بعد نماز عشا جامعہ صیانۃ العلوم کے فارغین طلباء کی دستار بندی ہوگی ان شاء اللہ

نوٹ: شرکت کے لئے باہر سے تشریف لانیوالے حضرات کا قیام و طعام جامعہ میں ہوگا

جس میں مجدد الملت حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی صاحب تھانوی نور اللہ مرقدہ کے سلسلہ کے مجازین خلفاء کرام اور دیگر اکابر علماء کرام و مشائخ عظام شرکت فرمائیں گے

اس سہ روزہ اجتماع کے دوران روزانہ بعد نماز عصر حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے سلسلہ کے خلفاء کرام کی مجالس کا خصوصی اہتمام ہوگا ...... اہل عقیدت سے شرکت کی درخواست ہے

مجلس صیانۃ المسلمین پاکستان جامعہ صیانۃ العلوم لاہور
گلشن اشرف اسلام نگر سندر ملتان روڈ لاہور
042-37543617
0300-8439617
0321-4050123